# قرآنی معاہدات

## اللہ اور انسانوں کے تعلق کے قانونی زاویے

مصنف
احمر بلال صوفی

انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی امور
اسلام آباد، پاکستان

## مصنف

احمر بلال صوفی، جنوبی ایشیا کے معروف قانون دان، بین الاقوامی قانون کے ماہر اور پاکستان کے سابق وفاقی وزیر قانون ہیں۔ وہ اِس وقت پیرس کی 'بین الاقوامی عدالت برائے ثالثی' کے رکن ہیں۔ عالمی عدالتِ انصاف اور دیگر بین الاقوامی عدالتی فورمز میں نمائندگی کر چکے ہیں۔ وہ پنجاب یونیورسٹی میں کئی سال بین الاقوامی قانون پڑھاتے رہے ہیں، اور دنیا بھر میں اس پر لیکچرز دیے ہیں۔ بین الاقوامی قوانین کے اُمور پر 'او آئی سی' کے سیکرٹری جنرل ان سے مشاورت کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے ایک معروف تھنک ٹینک 'ریسرچ سوسائٹی آف انٹرنیشنل لاء' کی بنیاد رکھی، جو بین الاقوامی قانون کو سمجھنے کی ضرورت کے حوالے سے کام کرتا ہے۔ بین الاقوامی قانون سے متعلق بہت سے پہلوؤں پر ان کے لیکچرز کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکے ہیں، جو دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بے حد مفید ہیں۔

احمر بلال صوفی کی زیر نظر کتاب قرآنی معاہدات کے موضوع پر ایک بالکل نیا کام ہے، جسے ہم نے اُردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ وہ اس حوالے سے مستقبل میں مزید کام کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں، اسی لیے انہوں نے ایک ادارے تحقیقی مرکز برائے قرآنی معاہدات

The Quran Covenant Research
Center - QCRC

کی بنیاد بھی رکھی ہے۔

احمر

# قرآنی معاہدات

اللہ اور انسانوں کے تعلق کے قانونی زاویے

# قرآنی معاہدات

## اللہ اور انسانوں کے تعلق کے قانونی زاویے

مصنف

احمر بلال صوفی

اُردو ترجمہ

شفیق منصور

نظر ثانی و تقدیم

محمد اسرار مدنی



انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی امور

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں


نام کتاب: قرآنی معاہدات: اللہ اور انسانوں کے تعلق کے قانونی زاویے
Qur'anic Covenants: An Introduction

مصنف: احمر بلال صوفی (سابق وفاقی وزیر قانون)

اُردو ترجمہ: شفیق منصور

نظرثانی و تقدیم: محمد اسرار مدنی

تزئین و سرورق: زِی گرافکس

ناشر: انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی اُمور (IRCRA)

تعداد: 1000

سال اشاعت: 2024ء

ایڈیشن: اوّل

آئی ایس بی این: 978-627-7826-03-1



مزید ایسے مضامین و مقالات کیلئے ہماری ویب سائٹ

تحقیقات
TAHQIQAAT.PK
www.tahqiqaat.pk

ملاحظہ فرمائیں

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

# يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَوْفُوا۟ بِٱلْعُقُودِ

اے ایمان والو ! معاہدوں کو پورا کرو ۔

O you who have believed, fulfill [all] contracts.

05
Al-Ma'idah
01

# فہرست


مقدمہ(محمد اسرار مدنی) ........................................ 11

تعارف ................................................................ 19

ایک معاہدہ کیا ہوتا ہے؟ .......................................... 23

معاہدہ اور شریعت کا عہد ......................................... 27

معاہدوں کی نوعیت ................................................ 29

باب اول: قرآن کے تحت معاہدے

- روزمرہ کے معاہدوں کی پابندی ........................ 35
- بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی ...................... 38
- ملکی قوانین کی پابندی ................................. 41

باب دوم: مسلمانوں کے ساتھ اللہ کا معاہدہ

- اللہ اور ہر مسلمان کے درمیان عہد ..................... 45
- کلمہ کا عہد ................................................ 48
- رسائی کا عہد ............................................... 49
- بات چیت کا عہد ........................................... 50
- دعا کا عہد .................................................. 52
- معافی دینے کا عہد ........................................ 54
- رحم کا عہد ................................................. 56
- شکر گزاری کا عہد ......................................... 57
- سخاوت کا عہد ............................................. 59
- عبادات و شعائر کا عہد .................................... 61
- نماز کا عہد ................................................. 62

- اپنے نائب کے ساتھ عہد ........................................ 65
- خریدے ہوئے مؤمن کا عہد ........................................ 67
- 'وکیل' کا عہد ........................................ 69
- خالق اور مخلوق کا عہد ........................................ 71
- مقروض اور قرض دہندہ کا عہد ........................................ 72
- 'جو میری مدد کرے گا میں اس کی مدد کروں گا' کا عہد ........................................ 74
- 'جو مجھے بھلائے گا میں اُسے بھلاؤں گا' کا عہد ........................................ 75
- 'تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا' کا عہد ........................................ 77
- اللہ کی محبت کے حقدار ہونے کا عہد ........................................ 78
- پناہ دینے کا عہد ........................................ 80
- انعام واکرام کا عہد ........................................ 81
- سزا کا عہد ........................................ 84
- مشکل کے بعد آسانی کا عہد ........................................ 86
- صبر کرنے والے مرد اور عورت کیساتھ عہد ........................................ 89
- شوہر اور بیوی کے درمیان عہد ........................................ 91
- دنیاوی علم حاصل کرنے کا عہد ........................................ 93
- دنیاوی سبقت کا عہد ........................................ 96
- کاروباری افراد کے ساتھ معاہدہ ........................................ 99
- رسول کی پیروی کا عہد ........................................ 102
- اللہ کے ساتھ نجی معاہدے ........................................ 105
- اعمال کے ریکارڈ کا عہد ........................................ 106
- اللہ کا غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ ........................................ 108
- منافقین کے ساتھ عہد ........................................ 111

### باب سوم: سماجی معاہدے


- شریعت کا معاہدہ ........ 115
- ریاست اور شہری کا عہد ........ 117
- امانت دار کا عہد ........ 119
- اجتماعی زندگی کا معاہدہ ........ 121
- مروجہ قوانین کی بالادستی کا عہد (اولوالامر) ........ 123
- اتھارٹی کی پیروی کرنے کا عہد (امر بالمعروف) ........ 124
- جہاد کا عہد ........ 126
- قسموں کا عہد ........ 128
- مشاورت کے عہد ........ 129
- ثالث کے ساتھ معاہدہ ........ 131
- عمل صالح کی صلاح دینے کا معاہدہ ........ 133
- عمل صالح کا عہد ........ 135
- احترامِ آدمیت کا عہد ........ 136
- حقوق العباد کے معاہدے ........ 139
- مسیحیوں اور یہود سے متعلق قرآنی معاہدے ........ 141


### باب چہارم: وسیع تر معاہدے


- کائنات چلانے کا عہد ........ 145
- انسانوں کی روحوں کے ساتھ اللہ کا معاہدہ (عہد الست) ........ 146
- ابلیس کے ساتھ عہد ........ 148
- انسانی نسل کے رزق کا عہد ........ 149
- ملکیت کا عہد ........ 152
- بھیجنے والے اور وصول کنندہ کا عہد ........ 153

- ریگولیٹر کا عہد ............................. 155
- پیغمبروں کے وقار کا عہد ............................. 156
- ہر پیغمبر کے ساتھ عہد ............................. 158
- آخری رسول کا عہد ............................. 159
- اللہ کے اعلانات اور ضمانتوں کا عہد ............................. 160
- روزِ جزا کے وقوع پذیر ہونے کا عہد ............................. 161

**با ب پنجم: قرآنی معاہدات: اضافی بحث**

- قرآن کے exhibits (یا آیات) ............................. 165
- معاہدوں کا نفاذ ............................. 167
- رسی کا عہد ............................. 170
- کیا معاہدے اللہ کے اختیارات کو محدود کر سکتے ہیں؟ ............................. 172
- اس مطالعے کی افادیت ............................. 173
- خلاصہ: ............................. 176

# انتساب

قرآنی معاہدوں کے راقم اعلیٰ، اولین گواہ، اللہ کے سفیر، پیامبر و آخری پیغمبر

حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کے نام

# مقدمہ

اُستاد محترم احمر بلال صوفی صاحب سے پہلی ملاقات نیشنل ڈیفنس یورنیورسٹی، اسلام آباد کے ایک وقیع کورس 'نیشنل سکیورٹی ورکشاپ' کے دوران ہوئی۔ انہوں نے بین الاقوامی قانون اور پاکستان کو اس ضمن میں درپیش مسائل پر انتہائی عالمانہ گفتگو کی۔ اُس وقت میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں بطور رفیق و نگران شعبہ مؤتمر المصنفین مصروفِ عمل تھا۔ صوفی صاحب کی بین الاقوامی قانون پر گفتگو نے، بے حد متاثر کیا، اور کئی اہم اُمور پر از سرِ نو سوچنے پر مجبور کیا۔ تب راقم نے فیصلہ کیا کہ آئندہ علما اور دینی مدارس کے اساتذہ و مفتیان کرام کی تربیتی ورکشاپس میں صوفی صاحب کو دعوت دیں گے تاکہ وہ مجھ سمیت دیگر طلبہ کو بین الاقوامی قانون سے روشناس کریں۔

احمر بلال صوفی، جنوبی ایشیا کے معروف بین الاقوامی وکیل اور پاکستان کے سابق وفاقی وزیر قانون ہیں۔ وہ اِس وقت پیرس کی 'بین الاقوامی عدالت برائے ثالثی' کے رکن ہیں۔ عالمی عدالتِ انصاف اور دیگر بین الاقوامی عدالتی فورمز میں نمائندگی کر چکے ہیں۔ وہ پنجاب یونیورسٹی میں کئی سال بین الاقوامی قانون پڑھاتے رہے ہیں، اور دنیا بھر میں اس پر لیکچرز دیے ہیں۔ بین الاقوامی قوانین کے اُمور پر او آئی سی کے سیکرٹری جنرل ان سے مشاورت کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے ایک معروف تھنک ٹینک 'ریسرچ سوسائٹی آف انٹرنیشنل لاء' (RSIL) کی بنیاد رکھی، جو بین الاقوامی قانون کو سمجھنے کی ضرورت کے حوالے سے کام کرتا ہے۔

'انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی اُمور' کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی مختلف تربیتی

ورکشاپس میں صوفی صاحب voluntarily اپنا قیمتی وقت نکال کر تشریف لاتے رہے ہیں۔ان کے مختلف سیشنز سے جید علماء کرام نے بھرپور استفادہ کیا۔انہوں نے ایک پروگرام میں بین الاقوامی قانون سے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

”آج سے 35 سال پہلے جب میں گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویٹ ہوا تھا، تو میرا پہلا ارادہ ایل ایل بی کرنے کا تھا۔ میرے والدین دونوں ڈاکٹر تھے۔ والد صاحب ہری پور سے تھے اور والدہ دلی سے تھیں۔ان کی شادی کوئٹہ میں ہوئی تھی اور میں لاہور میں پیدا ہوا تھا۔ میری ابتداء سے ہی قانون میں دلچسپی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ میں صرف وکالت ہی کروں گا۔اس لیے میں نے دیگر شعبوں میں بہت سے مواقع ترک کر دیے، جیسے سی ایس ایس، بینک کی ملازمت، وغیرہ۔ میرا ہدف صرف یہ تھا کہ میں وکیل بنوں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ میں بچپن میں قائد اعظم کی ایک تصویر سے متاثر ہو گیا تھا۔میں نے ان کی ایک تصویر دیکھی تھی جس میں وہ ایک وجیہ اور پروقار لباس پہنے ہوئے اپنی لائبریری میں کھڑے ہیں۔ یہ تصویر مجھے بہت متاثر کن لگی۔ قائد اعظم کی شخصیت میں ایک خاص وقار اور عظمت تھی۔ مجھے لگا کہ یہ وقار اور عظمت ان کے پیشے سے وابستہ ہے۔ میں نے فوراً ارادہ کیا کہ میں ان جیسا وکیل بنوں گا۔ لیکن پھر مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ یہ پیشہ اتنا لچکدار ہے کہ اگر آپ اپنا ماڈل اور اپنی اقدار درست رکھیں تو آپ نہ صرف اس پیشے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، بلکہ اس میں آپ اپنے معاشرے، اپنے ملک اور اپنے مذہب کے لیے اچھا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے بین الاقوامی قانون کا شوق بھی تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ بین الاقوامی قانون کی سمجھ سے بہت سی چیزیں بہتر کی جا سکتی ہیں۔ میں نے اپنے ملک، معاشرے کے لوگوں، پیشہ ور

دوستوں کی بہت سی چیزوں میں رہنمائی کی۔ میں نے اکثر دیکھا کہ جب لوگ پاکستان کے مسائل پر بات کرتے ہیں تو وہ جذباتی نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ کیمبرج میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے میں نے یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ پاکستان کے کیا مسائل ہیں اور سب سے بنیادی مسائل کیا ہیں۔ کیونکہ بین الاقوامی قانون (international law) کا تعلق حکومت سے نہیں ہے کہ کون ملک کے اندر اقتدار میں ہے اور کون صوبے میں اقتدار میں ہے۔ اس لیے کہ بین الاقوامی قانون کا سارا تعلق ریاست کے مخصوص مسائل سے ہے۔ پاکستان میں اس حوالے سے بہت سے طبقات میں غلط فہمیاں یا کنفیوژن نظر آتی ہے۔ بین الاقوامی قوانین پاکستان کے لیے کیسے کس طرح معاون ہیں اور کس طرح ان سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے، یہ سمجھنے کی ضرورت ہے"[1]

کچھ عرصہ پہلے صوفی صاحب بیمار ہوئے اور علاج معالجے کے دوران تنہائی میں چلے گئے۔ انہوں نے کئی سال پر محیط بین الاقوامی قانون کے وسیع تر تجربے کے تناظر میں قرآن حکیم کا مطالعہ کیا۔ ان پر قرآن حکیم کا قانونی فریم ورک کھلتا گیا۔ قلم اُٹھایا اور سلسلہ وار لکھنا شروع کیا، اور انگریزی زبان میں ایک منفرد کتابچہ 'Qur'anic Covenants: An Introduction' (قرآنی معاہدات: ایک تعارف) کے نام سے مکمل کر کے شائع کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ QCRC (The Quran Covenant Research Center) کے نام سے اپنے دفتر میں ایک ذیلی ادارہ بھی قائم کیا۔ صوفی صاحب اس تحقیق کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

"مسلم تاریخ میں قرآن کریم سے متعلق لکھا گیا زیادہ تر لٹریچر مقاصد شریعت،

---

[1] آزادی فیلوشپ ورکشاپ، زیر اہتمام 'انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی اُمور'۔ (2023ء)

اصول فقہ اور احکام و مسائل کے گرد گھومتا ہے۔ تاہم، قرآن کے حوالے سے 'معاہدہ' (covenant) کے پہلو پر اتنا کام نہیں ہوا ہے، جس میں یہ عنصر نمایاں ہو کہ یہ کتاب، اللہ اور انفرادی و اجتماعی سطح پر لوگوں کے درمیان ایک عہد یا معاہدہ کا فریم ورک بھی ہے۔ اس کمی کی کچھ سکالرز نے نشاندہی کی ہے۔ زیر نظر مقالہ اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش ہے اور بتاتا ہے کہ معاہداتی فریم ورک قرآن کی ایک اہم خصوصیت ہے جس کے گرد ضمنی ہدایات، قوانین، نصیحتیں، احتیاطی تدابیر، یقین دہانیاں اور تنبیہات ملتی ہیں۔ یہ مطالعہ قرآن کے پیغام کو منفرد انداز میں سمجھانے کی کوشش بھی ہے، کیونکہ اس کے وسیع تر سماجی، ثقافتی اور قانونی اثرات ہیں۔ مثال کے طور پر، قرآن کے معاہداتی پہلو پر غور کرنا اسلامی معاشروں کے لیے ایک نیا زاویہ پیش کر سکتا ہے، اور ممکنہ طور پر پالیسی سازی اور قانونی عمل پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اس طرح، یہ تحقیق علمی دائرے میں اہم ہے اور حقیقی دنیا اور اس کے مسائل کے متعلق ہے۔ مزید برآں، یہ مقالہ خاص طور پر قرآن کے اندر موجود مختلف معاہدوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ قرآنی اسلوب کی ساخت، اصطلاحات اور الفاظ کا تجزیہ کرتے ہوئے، یہ مقالہ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان تعلق کی متعدد جہات کی نشاندہی کرتا ہے۔"[2]

جب انہوں نے اس منفرد تحقیق کے بارے میں بریفنگ دی تو راقم نے وعدہ کیا کہ اس کا اُردو ترجمہ اور اشاعت ہمارا ادارہ کرے گا۔ گزشتہ تین ماہ کی مسلسل جدوجہد کے بعد تحقیقات کی ادارتی ٹیم کے لائق و فاضل رکن جناب شفیق منصور نے اس ترجمے کو انتہائی عمدگی کے ساتھ مکمل کیا۔ نیز صوفی صاحب کی ٹیم کے تین لائق و فائق نوجوان سکالرز جناب سفیان بن منیر،

[2]Qur'anic Covenants: An Introduction - Ahmer Bilal Soofi

جناب عاطف صدیق اور جناب حنظلہ منصور کا بھرپور تعاون رہا۔ اس کتاب کے ترجمے میں کئی مسائل درپیش تھے۔ خصوصاً قانون کے متعلق اصطلاحات کی تعبیر و تشریح ایک پیچیدہ مسئلہ تھا، جس میں صوفی صاحب نے بذات خود رہنمائی فرمائی۔ ہمارے لیے یہ اطمینان کی بات تھی کہ ملک کے جید اساطین علم نے انگریزی ایڈیشن پر نظرثانی کی جس میں کئی ممتاز نام حسب ذیل ہیں:

ڈاکٹر قبلہ ایاز (سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل)، ڈاکٹر خالد مسعود (شریعہ اپیلٹ بینچ، سپریم کورٹ)، ڈاکٹر محمد منیر (سابق ڈائریکٹر شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد)، شیخ اسماعیل موسی (مفتی جنوبی افریقا)، ڈاکٹر محسن نقوی (سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل)، ڈاکٹر محمد مشتاق (سابق ڈائریکٹر شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد)، پروفیسر عمران احسن نیازی (پروفیسر آف لاء، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد)، ڈاکٹر سید عاطر رضوی (سربراہ شعبہ قانون، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور)، سید معاذ شاہ (ضیاء الدین یونیورسٹی)، مولانا راشد الحق سمیع (مدیر اعلی ماہنامہ الحق، جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک)، ڈاکٹر ضیاء الحق صاحب (ڈی جی ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد)

میرے خیال میں قرآن مجید کا یہ منفرد اور تحقیقی پہلو اہل علم پر قرض تھا جسے ہمارے احمر بلال صوفی صاحب نے چکایا ہے۔ اگر مسلم سماج میں قرآن مجید کے اِس خاص پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے تربیتی نظام وضع کیا جائے تو مجھے سو فیصد یقین ہے کہ مسلم معاشروں سے لاقانونیت کا خاتمہ ہو گا، عام لوگ خود کو خدا کے زیادہ قریب محسوس کریں گے، معاہدوں کی اہمیت کو سمجھا جائے گا اور مجموعی طور انسان کے مذہب کے ساتھ تعلق کا ایک آسان اور عام فہم تناظر سامنے آئے گا۔

”قرآن مجید کی آیات کا ایک قانونی پس منظر بھی ہے۔ یہ قانونی پس منظر صرف ان امور سے

متعلق نہیں ہے جو ریاستی اتھارٹی کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں۔ قرآن مجید کی چھ ہزار سے زائد آیات میں سے، صرف ایک سو آیات عبادات وغیرہ، جیسے نماز، روزہ اور حج سے متعلق ہیں۔ ستر آیات پرسنل لاء کو موضوع بناتی ہیں۔ سول لاء کے معاملات پر بھی تقریبا اتنی ہی آیات ہیں، تیس آیات تعزیرات کے قوانین پر مشتمل ہیں، اور بیس آیات عدلیہ کے معاملات اور گواہی سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ، تقریباً بیس آیات انصاف کے انتظام سے متعلق ہیں۔ بعض علماء ان کو مختلف انداز میں شمار کرتے ہیں۔ گویا پانچ سو سے کم شرعی احکامات سے متعلق ہیں، تو پھر سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ تقریبا چھ ہزار آیات کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ یہ تحقیق ہمیں باور کرواتی ہے کہ ان میں سے بیشتر آیات اللہ اور انسان کے مابین عہد اور معاہدے کی بابت ہیں۔ اس لیے بہت کم آیات ایسی ہیں جنہیں حکومتی سطح پر صرف اس وقت نافذ کرنا ہوتا ہے جب اسلامی حکومت برسر اقتدار آئے۔ تو پھر، قرآن کی بقیہ آیات کی قانونی نوعیت کیا ہے؟ اس تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر آیات اللہ اور انسانوں، یعنی بشمول مسلمان اور غیر مسلموں، کے درمیان عہد اور معاہدے کی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں" [3]

جب بھی اسلامی تناظر میں معاہدات کی بات ہوتی ہے تو عام طور پر ہمارے یہاں رسول اللہ ﷺ کے مختلف قبائل و طبقات کے ساتھ اپنی زندگی میں کیے گئے معاہدات کا ذکر ہوتا ہے، پھر اس میں بھی زیادہ تر جو پہلو نمایاں ہوتا ہے وہ تعلقاتِ عامہ اور بالخصوص مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ تعلق کا پس منظر ہوتا ہے۔ اسی طرح، قرآن کریم میں بھی معاہدات کی بابت بحث کی جہت تقریباً یہی ہوتی ہے اور چند ایسے معاہدات کی تفسیر پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے جو اپنے متن میں صراحتاً اسی موضوع کو بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ اِس کتاب کے مصنف جناب احمر بلال صوفی صاحب نے قرآن کریم میں معاہدات کا ایک ایسا منفرد پہلو پیش کیا ہے

---
Qur'anic Covenants: An Introduction - Ahmer Bilal Soofi[3]

جس کی جانب بہت کم اہلِ علم کی توجہ گئی ہے۔ انہوں نے اس میں واضح کیا ہے کہ معاہدہ (Covenant) بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے اور اس کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر جو اُسلوب اختیار کیا گیا ہے، اور جس طرح تمام انسانیت، اور خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ تعلق باللہ یا دائرۂ اسلام میں داخل ہونے یا نہ ہونے کے جو اصول و ضوابط ،وعدے وعیدیں، یا فوائد و نقصانات بیان کیے گئے ہیں، یہ اُسلوب واضح طور پر معاہداتی لہجہ و پس منظر رکھتا ہے۔ اِس کتاب کو پڑھتے ہوئے کلامِ الٰہی کا ایک نیا زاویہ سامنے آتا ہے اور ہر انسان انفرادی طور پہ خود کو اللہ تعالیٰ کے بہت قریب محسوس کرتا ہے۔ اسے خالقِ کائنات کا خطاب ماورائی اور بلاغت میں اعجاز کے رتبے پر فائز ہونے کے باوجود بہت عام فہم لگتا ہے۔

دینی لٹریچر سے ایک گہرا ربط ہونے کے سبب اس طرح کے موضوعات دل کے قریب رہے ہیں اور ہمیشہ یہ شوق رہا ہے کہ مذہب اور مذہبی متون کی وہ تعبیرات لوگوں کے سامنے آسکیں جنہیں پڑھ کر ایک عام آدمی دین کے زیادہ قریب ہو، اسے مذہب یا مذہبی شعائر واحکام آسان اور سمجھ میں آنے والے محسوس ہوں۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ یا رکاوٹ حائل ہے۔ اسی لیے جب پہلی بار اس کتاب کا انگریزی نسخہ پڑھا تو روحانی طور پہ بہت تسکین کا احساس ہوا۔ کلامِ الٰہی کا یہ رُخ مذہب کے بارے میں ایک مسلمان کے فہم کو کلی طور پر پلٹ دیتا ہے اور دین کی تصویر پیچیدہ نظر آنے کی بجائے، بڑی شفاف اور دوٹوک محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہی اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

اس کتاب کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کا اندازِ بیان بہت سیدھا سادہ ہے، لہذا یہ صرف اہل علم کے حلقے تک محدود نہیں رہتی، بلکہ ہر وہ مسلمان جو خواندہ ہو اور مذہب سے تھوڑا بہت بھی ربط رکھتا ہو، وہ اسے آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔

کتاب کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے، دل چاہتا ہے کہ اسے تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جانا چاہیے۔ اہل

مدارس اگراس طرف توجہ دیں، اسی طرح جدید تعلیمی اداروں کے مذہبی نصاب میں بھی اسے شامل کیا جائے تو یہ دین کی بڑی خدمت ہوگی۔ اس میں نہ تو کوئی مسلکی چھاپ ہے اور نہ ہی اس میں دقیق مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ صرف ایک انسان کے خدائے تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو واضح اور مضبوط بنانے کی کوشش ہے۔ یہ نوجوانوں کو رُوحانی طور پر مذہب کے قریب کرے گی۔

**محمد اسرار مدنی**

صدر 'انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی اُمور' و مدیر اعلیٰ مجلہ 'تحقیقات'

# تعارف

قرآن کے پیغام کی تشریح قرآنی مطالعات یا علوم القرآن کے ذریعے علماء و مفکرین صدیوں سے کر رہے ہیں۔ اس میں عام طور پر، قرآن کے قانونی پہلوؤں کو شریعت یا اصول فقہ کے قواعد کے تحت تلاش کیا جاتا ہے، اور مومنین کے لیے اخلاقی ضابطوں کی نشاندہی کی جاتی ہے، یا ان مسائل پر توجہ کی جاتی ہے جنہیں اکثر احکام القرآن کہا جاتا ہے۔ تاہم، ایک مسلمان اور خالق کے درمیان معاہدے کے قانونی ڈھانچے کی اتنی تحقیق نہیں کی گئی ہے جتنی ہونی چاہیے تھی، اور ماہرین[1] نے اسے موجودہ اسلامی امور میں ایک خلا کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ یہ کام اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش ہے۔[2]

اس تحقیق کے اہم ہونے کی دو وجوہات ہیں۔ اول، قرآن کا مطالعہ صرف مذہبی تناظر میں نہیں ہوتا، بلکہ اس کا ایک سماجی، ثقافتی اور قانونی پہلو بھی ہے۔ دنیا بھر کے تقریباً دو ارب لوگوں کے لیے قرآن صرف ایک مقدس کتاب ہی نہیں ہے۔ یہ قانونی اور سماجی نظام کی بنیاد بھی بناتا ہے۔ لہذا، اس کی ساخت اور بنیادی پیغام کو سمجھنا مسلم معاشروں اور ان کے قانونی فریم ورک کے بارے میں غیر معمولی پہلو پیش کر سکتا ہے۔

دوم، قرآن کی تفسیر کی متعدد جہات ہیں۔ یہ سوال کہ اس کے پیغام میں کوئی بنیادی خصوصیت موجود ہے یا نہیں؟ کیا اس کی ساخت میں معاہدہ کا تصور بھی موجود ہے یا نہیں؟ اس پر بہت کم تحقیق کی گئی ہے۔ اس پہلو کی چھان بین ایک نیا تناظر فراہم کر سکتی ہے اور قرآن کے بارے

[1] Joseph E. B. Lumbard, "Covenant and Covenants in the Qur'an," Journal of Qur'anic Studies 17:2 (2015): 1–23.

[2] اس پر 2021 سے کام چل رہا ہے، اور رواں سال کے آخر تک مکمل ہونے کے امکانات ہیں۔

میں ہماری سمجھ کو مزید گہرائی دے سکتی ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اس بات کا انکار کرنا مشکل ہو گا کہ کس طرح قرآن کریم میں متعدد معاہدوں کی نشاندہی کی گئی ہے جس کے باعث وہ خود اللہ کے ساتھ ناقابل یقین قربت کو قانونی زاویے سے محسوس کرتا ہے۔

اگرچہ یہ تحقیق علمی نقطہ نظر سے اہمیت رکھتی ہے، لیکن اس کے معاشرے اور ریاست کے نظم و نسق پر بھی وسیع اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اگر مسلمان معاہدوں کی حرمت کو تسلیم کرتے ہوں اور اسے ایمان کا ایک جزو سمجھتے ہوں، جو کہ یہ ہے، تو روزمرہ کی زندگی میں نجی معاہدوں کی تعمیل اور قانون سازی کے معاہدوں (یعنی قوانین) کی پابندی بھی اہمیت کی حامل ہو گی۔ مومنین جو کسی بھی جدید ریاست میں رہ رہے ہیں، وہ اپنے ارد گرد کے لوگوں کے ساتھ کیے گئے وعدوں کے مطابق عمل کرنے کے لیے قائل ہوں گے اور اپنی ریاستوں میں نافذ کیے گئے قانونی معاہدوں کے تحت اپنے فرائض انجام دینے کے لیے تیار ہوں گے۔ جو لوگ قرآن پر یقین رکھتے ہیں، وہ محسوس کریں گے کہ انہیں بین الاقوامی معاہدوں اور کنونشنوں (conventions) کا احترام کرنا چاہیے۔ ایک بار جب اس بیانیے کو مسلم علما، مقررین، اور مذہبی طبقات کے ذریعے سمجھ لیا جائے اور اس پر بات کی جائے، تو اس کے نتیجے میں ایک اہم فکری تبدیلی اور قرآن سے وابستگی واقع ہو سکتی ہے۔

دورِ جدید کے قوانین کا لہجہ اور اصطلاحات اپنا کر قرآنی فرمودات اور معاہدوں کو عہد حاضر کے نوجوانوں کے لیے بالخصوص زیادہ قابل فہم بنا دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں دور حاضر میں معاہدوں کی ایک نئی صنف 'یکطرفہ لکھے معاہدے' (standard term contract) اب رائج الوقت ہیں جن کے بارے میں کوئی یہ نہیں رائے رکھتا کہ یہ باضابطہ معاہدے نہیں ہیں، محض اس لیے کہ اس کی شرائط کو دونوں فریق نے اسے آزادانہ طے نہیں کیا مثلاً بینک کے بنائے ہوئے یکطرفہ فنانسنگ کے معاہدے، بیمہ کمپنیوں کے پالیسی کے

معاہدے، جہاز یا ریل کے ٹکٹ پر طے شدہ لکھی شرائط اور اسی دور حاضر کی عدالت میں ان کو چیلنج نہیں کیا جاتا لہذا قرآن کے بارے میں بھی اگر کسی کو اس بنیاد پر اعتراض تھا کہ یہ ایک طاقت ور فریق کا یکطرفہ معاہدہ ہے تو وہ اب ختم تصور ہونا چاہیے، کیونکہ اب ہم قرآن کو اللہ کی جانب سے بنایا ہوا یکطرفہ معاہدے کے طور پر باآسانی لے سکتے ہیں۔ یہ نقطہ نظر[3] ایک صدی پہلے موجود نہیں تھا۔ اسی طرح قرآن کو اللہ تعالی کی جانب سے ایک سمن (summon) کے طور پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ جس کی تعمیل ہر انسان پر ہونی مقصود ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا نہ ہو۔ جس قوم، لوگوں اور شخص پر تکمیل ہو جاتی ہے اس سے یوم الدین پر باضابطہ پوچھ ہو گی۔ اس پورے تصور کو باآسانی سمن کے تعمیل کے قوانین کے تناظر میں سمجھا جاسکتا ہے، جس میں بین الاقوامی کنونشن اور ملکی قوانین ہماری معاونت کرتے ہیں۔

اسی طرح، ایجنٹ-پرنسپل[4] کے قانونی تصور کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اللہ تعالی اور اس پیغمبروں کے درمیان کے تعلق کو بہت جلدی سمجھ سکتے ہیں اور باآسانی باور کر سکتے ہیں کہ کیوں اللہ تعالی نے اپنے پیغام رساں نیک لوگوں کو کس نوعیت کی ہدایات اور ان کو نتائج سے مبراء قرار دیا۔ ان تعلقات کو قوانین کی شکل میں تقریبا دو سو سال سے بھی کم عرصہ ہوا ہے، کہ ڈھالا گیا۔

زیر نظر کام متعدد پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے جن میں اللہ کا بطور خالق مسلمانوں اور غیر مسلموں سے ایک تعلق ہوتا ہے اور ہر تعلق اپنے تئیں ایک منفرد عہد نامہ ہے۔ ان معاہدوں یا عہد ناموں کو ہم قرآن کی زبان، اصطلاحات اور الفاظ سے اخذ کرتے ہیں، یا قرآن مجید کا اسلوب، خود ہمیں معاہدے کے خدوخال کے بارے میں باور کرادیتا ہے۔

---

[3] اسٹینڈرڈ فارم کنٹریکٹس: "عام طور پر پہلے سے طے شدہ معاہدہ جس میں مخصوص شقیں ہوتی ہیں، جو کاروبار یا کسی خاص صنعت کے اندر مخصوص صورتحال کو پورا کرنے کے لیے صرف معمولی اضافے یا ترمیم کے ساتھ بار بار استعمال کیا جاتا ہے۔" (St. Paul, MN: Thomson-Reuters, 2019)

[4] پرنسپل-ایجنٹ کا تعلق، "دو افراد کے درمیان تعلق، جن میں سے ایک (پرنسپل) دوسرے (ایجنٹ) کی خدمات حاصل کرتا ہے۔ اس میں بنیادی طور پر کرایہ دار اور تیسرے افراد کے درمیان نئے قانونی تعلقات کی تشکیل شامل ہوتی ہے۔" (St. Paul, MN: Thomson-Reuters, 2019)

# ایک معاہدہ کیا ہوتا ہے؟

اگر قرآن میں اللہ تعالی نے کسی کام (نیکی یا گناہ) کے عوض انعام یا سزا کا معاہدہ کیا ہے تو جب بھی کوئی مسلمان نیکی کا کام اس ارادے اور نیت سے کرے کہ روز قیامت اس کو انعامات کا حق دار قرار دیا جائے یا نیت اللہ کی رضا کی ہو تو گویا اس نے اپنے حصے کا عہد پورا کر دیا۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان قرآن کے کسی بھی حکم کی اطاعت اپنے رب کی خوشی کی نیت سے کرتا ہے تو یہ نیت (Consideration) کے طور پہ تصور کی جائے گی۔ لہذا وہ معاہداتی فریم ورک کو وجود میں لے آئے گا۔

اس کتاب میں لفظ 'معاہدہ' کو وسیع ترین معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں نہ صرف دنیاوی رسمی معاہدے ہیں بلکہ زبانی عہد جو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں بھی شامل ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالی کا اپنی طاقت، شان اور قوت کے بارے میں مسلسل دعوے ایک عہد کے طور پر لیے جانے چاہیئں۔ کیونکہ دعویدار اپنے دعوے پر خود گارنٹی اور وارنٹی لکھ کر دیتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی کے بے شمار یک طرفہ[1] دعوے، اور اسی طرح اللہ تعالی کی مسلسل اپنی قوت، عظمت اور مشکل کشائی کی اور حاجت روائی کی پیشکش بذات خود ایک عہد بن جاتی ہے، جس کو قانونی زبان میں warranty کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے برخلاف کوئی عمل کرنے کے مضمرات و نتائج کا سامنا، عمل کرنے والے کو کرنا پڑتا ہے اور پڑے گا۔

---

[1] "وارنٹی، "ایک واضح یا غیر اعلانیہ وعدہ کہ معاہدہ کو آگے بڑھانے میں کسی چیز کی ضمانت عقد کا حصہ ہو گی۔ مثال کے طور پر، ایک بیچنے والے کی طرف سے وعدہ کرنا کہ جو چیز بیچی جا رہی ہے وہ اس میں ان چیزوں کا ضامن ہو گا۔"

بعینہ اسی طرح اللہ تعالیٰ پر مکمل انحصار کرنے کی پیشکش کو موجودہ قانون کی زبان میں formal representation کہا جاتا ہے۔ اور چونکہ اس کی خلاف ورزی کے بھی سنگین قانونی نتائج بتا دیے گئے ہیں، اسی لیے ہم اس نوعیت کی پیشکش کو بھی اللہ کے معاہدے کے طور ہی گردانیں گے۔

یہاں تک کہ ان کے پابند ہونے کے ارادے سے کیے گئے دعوے بھی شامل ہیں[2]۔ اب آتے ہیں انسانوں کے مابین معاہدے کی طرف دنیا کے روزمرہ معاملات پر کیے گئے معاہدوں پر، جو ہم صبح و شام کرتے رہتے ہیں۔ دو فریقوں کے درمیان طے پایا جانے والا کوئی بھی اتفاق چاہے وہ contract کے نام سے ہو، covenant کے نام سے ہو یا[3] treaty کے عنوان کے تحت، ان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، کیونکہ یہ سب معاہدے کے مختلف عنوانات ہیں، جو ملکی اور بین الاقوامی قوانین میں رائج ہیں۔ یہ دنیاوی معاہدے بادی النظر میں تو دو افراد یا دو فریقوں کے درمیان نظر آتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ براہ راست قرآن کے نیچے تصور کیے جائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر معاہدے کی نگرانی خود کرتے ہیں اور اس کی پورا ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں پوچھ گچھ بھی ہوگی اور سزا یا انعام دیا جائے گا۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اس میں زبانی معاہدے بھی شامل ہیں جن سے بے اعتنائی نہ برتی جائے۔

قرآن کی مختلف آیات کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اس میں لکھے ہوئے فریقین کے تعلقات اور باہمی طرز عمل[4] کے ذریعے معاہدے کے خدوخال قائم یا اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ معاہدے جو اللہ

---

[2]Browning v Johnson 70 Wn.2d 145 (1967)

[3]حتیٰ کہ جدید معاہدوں کی بھی ایک وسیع تعریف ہے اور ان میں معاہدے کے ظاہری عنوانات جیسے کہ معاہدہ، کنونشن، پروٹوکول وغیرہ جیسے ناموں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور ریاستی فریقوں کے درمیان طے پانے والے اصولوں اور شقوں پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ 1969 کے ویانا کنونشن آن لا آف ٹریٹیز کا آرٹیکل 2(a) معاہدے کی تعریف کرتا ہے کہ "ایک بین الاقوامی معاہدہ جو ریاستوں کے درمیان تحریری شکل میں ہو اور بین الاقوامی قانون کے تحت ہو، چاہے وہ کسی ایک شرط میں متشکل ہو یا دو یا دو سے زیادہ شقوں میں، اور اس کا کوئی مخصوص ہدف ہو"

[4]RTS Flexible System v Molkerei Alois Müller Gmbh [2010] UKSC 14 UK Supreme

تعالیٰ ہر مسلمان کے ساتھ کرتے ہیں، چاہے طاقت کے دعوے کے طور پر یا نتائج کی گارنٹی کے طور پر، یا پیغمبروں کے بیانات کے توسط سے، اس سب کو قرآنی اصطلاح کے مطابق، 'عہد اللہ' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔[5]

لہٰذا 'عہد' کی یہ وسیع تعریف نہ صرف اس مطالعہ کے دائرہ کار کو بڑھاتی ہے بلکہ قرآن کے ایک جامع دستاویز ہونے کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ تشریح قرآن کو ہماری زندگی اور روزمرہ کے معاملات کے براہ راست منسلک کر دیتی ہے کیونکہ لوگوں سے وعدہ، یقین دہانیاں ایک ایسا عمل ہے جو ہر شخص صبح سے شام تک لاتعداد مرتبہ بغیر سوچے سمجھے کرتا ہے۔ یہ تحقیق ہر ایسے شخص کو یہ باور کرواتی ہے کہ زبان سے ادا ہونے والا ہر وعدہ، لفظ، دعوی، یقین دہانی، تسلی کی ایک قانونی حرمت ہے اور انتہائی احتیاط سے ان کا استعمال کیا جانا چاہیے۔

---

Court Contract by Conduct: Lord Clarke: Pr. 45-56, 89

[5] النحل:91، الرعد:20، الانعام:152

# معاہدہ اور شریعت کا عہد

شریعت کا مطلب ہے نجات کی تلاش کا راستہ یا ایسا راستہ جو پانی والی جگہ کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ لفظ قرآن پاک میں صرف ایک بار استعمال ہوا ہے۔[1] شریعت کا کیا مطلب ہے، اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ کچھ لوگوں کے لیے، یہ قانونی ڈھانچے کا نام ہے جس کا مقصد مومنین کو ان کے ذاتی (یا نجی) اور ریاستی (یا عوامی) معاملات میں نافذ کرنا ہے[2]۔ اس کا اطلاق عبادت پر بھی ہوتا ہے، اور زمین پر انصاف کو برقرار رکھنے یا انصاف قائم کرنے کے طریقہ کو بھی شریعت کہتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے طرز زندگی کے نام کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ اسلامی قانونی شناخت صرف انصاف کے انتظام سے متعلق ہے۔

قرآن خطاب شارع ہونے کی وجہ سے حکم کا بھی درجہ رکھتا ہے۔ اسلاف علماء نے اس حوالے سے آیات کو پانچ قسموں میں بانٹا ہے، اور یہ حکم کے مختلف درجات کو وضع کیے ہوئے اقسام ہیں۔[3] مگر یہ معرکۃ الآرا کام اپنی جگہ، سوال یہ ہے کہ وہ آیات جن کو احکام یا حکم کے طور پر دیکھا گیا، کیا وہ بیک وقت عہد یا معاہدہ بھی کہلائی جا سکتی ہیں؟ اس کا جواب ہے، جی ہاں۔ اس کی وجہ وجہ بڑی سادہ ہے۔ جب بھی مسلمان حکم بجالاتے ہوئے یہ نیت رکھتا ہے کہ اس سے اس کا رب خوش اور راضی ہو جائے تو گویا یہ Consideration اور نیت جب سامنے آگئی تو یوں حکم کی اطاعت رب کی خوشنودی یا وعدہ کیے ہوئے انعام کے حصول یا اطاعت کی نیت کی بنیاد پر اس طرح کی گئی حکم کی اطاعت ایک اضافی قانونی تشخص لیے ہوئے ہے، اور وہ ہے اللہ اور اس

---

[1] الجاثیہ: 18

[2] Muhammad Khalid Masud, Sharia Today: Essays on Contemporary Issues and Debates in Muslim Societies (Islamabad: National Book Foundation, 2013), pp. 69-77 ف

[3] شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر

کے اطاعت گزار کے درمیان، ایک باضابطہ معاہدے کا۔

اصول فقہ وہ علم ہے جس پہ بے شمار فقہانے عرق ریزی اور جانفشانی سے قرآن کی تشریح کے اصول مرتب کیے اور صدیوں کی اس محنت کے پیچھے اصول یہ بتاتے ہیں کہ جب بھی دنیا کے کسی قاضی، عدالت، جج، یا منصف کے سامنے، کسی مسلمان کا کیا گیا معاہدہ، کسی بھی کاروبار یا معاملے کے بابت پیش کیا جائے تو اس کو اصول فقہ کے کون کون سے حوالوں سے ثابت کیا جائے اور اس کی صحت کی شہادت ریکارڈ پر لائی جائے۔ لہذا، اصول فقہ کا علم بنیادی طور پر ہماری عارضی دنیا کے قانونی اور عدالتی نظام کے لیے انتہائی ضروری اور مؤثر ہے۔ لیکن اس تحقیق میں جن معاہدوں کا احاطہ کیا جارہاہے اور ان کی شناخت لائی جارہی ہے، ان میں سے بیشتر بیک وقت دنیا اور آخرت کے معاملات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ یہ معاملات کہیں اور نہیں، بلکہ قرآن مجید میں ہی موجود ہیں۔ اس لیے ان فقہاء کے اصولوں کا اطلاق ان معاہدوں کی صحت جانچنے کے لیے کرنا مناسب نہ ہو گا۔ کیونکہ عہد کی بنیاد پر کیا جانے والا عمل دنیا کی کسی عدالت میں پرکھا نہیں جائے گا، بلکہ یوم الدین کے وقت اس کی تفاصیل از خود اظہر من الشمس ہو جائیں گی اور اسی قول، کہی گئی بات، یہاں تک کہ خیال اور نیت کو بھی ثابت کرنے کی تکنیکی ضرورت نہ ہو گی۔

مندرجہ بالا بحث اپنی جگہ مگر یہ بھی طے ہے کہ شرعی قانون کی تعمیل کی جائے، اس نیت کے ساتھ کہ آخرت میں انعامات یا اللہ کی خوشنودی بہ طور انعام میسر آئے گی، تو گویا ہر شرعی حکم کی تعمیل بھی ایک عہد کی شکل اختیار کر لے گا، اور یوں ہم اسے شریعت یا خدائی عہد بھی کہہ سکتے ہیں۔

# معاہدوں کی نوعیت

یہ مطالعہ قرآن کے قانونی اور معاہدے پر مبنی امور کی نشاندہی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ ایک ذاتی اور براہِ راست معاہدہ کرتے ہیں، جو کسی قسم کی مداخلت سے پاک ہے۔ یہ رابطہ جیسے کہ واضح کیا گیا، براہ راست ہے، کسی بھی پیچ وخم سے مبراء اور علی الاعلان ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ نے خود اس کا اعلان کیا، اس کو تخلیق کیا اور اس کی جزئیات طے کیں۔ یہ باہمی معاہدہ فطری طور پر غیر متوازن محسوس ہوتا ہے، کیونکہ یہ انتہائی غیر مساوی ہے۔ ایک طرف خالق ہے، اور دوسری طرف اس کی مخلوق؛ ایک انتہائی طاقتور اور غالب اور دوسرا انتہائی کمزور۔ ایک دائمی اور لازوال، اور دوسرا فانی۔ لہٰذا، ہم میں ہر انسان صرف اللہ کا کلام اور اس کی طرف سے دی گئی یقین دہانیوں پر بھروسہ کرتا ہے، اس یقین سے کہ اللہ تعالی اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔[1]

'عہد' کی وسیع تر تعریف پر غور کرتے ہوئے، ہم قرآن میں متعدد معاہدوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ کچھ تو اللہ کی طرف سے قرآن کے نزول سے پہلے کے ہیں، جیسا کہ الست کا عہد جو پوری نسل انسانی کی روحوں کے ساتھ ہے، علاوہ ازیں، ایک خاص دن تک کائنات کو چلانے کے یکطرفہ عہد۔ اسی طرح، نسل انسانی (مومن اور غیر مومن دونوں) کی پرورش کا معاہدہ یا وعدہ، ابلیس کے ساتھ ہونے والا ایک عہد اس میں شامل ہیں۔ اس عہد کے مطابق، اللہ نے انسان کو آزادی رائے، سوچ وفکر کی صلاحیت اور free will سکھائی۔ اور طے یہ ہوا کہ ابلیس اپنی سرگوشیوں اور وسوسوں سے ہر انسان کو اللہ سے دور کرنے کی کوشش کرے گا، جبکہ اللہ

---

[1] الروم:6، الانفال:111

تعالی اپنے پیغمبروں، نبیوں اور کتابوں کے ذریعے ہر انسان کو دیے گئے فہم کو آزمائیں گے، اور آخری کتاب یعنی قرآن ضابطہ حیات کا بھی ایک معاہدہ بن جائے گا۔

سب سے نمایاں عہد مسلمانوں کے ساتھ براہ راست ہے، یا یوں کہیے کہ اصل میں ہر مسلمان کے ساتھ قرآن کریم معاہدے کی دستاویز کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اللہ نے اس معاہدے کے الفاظ کو خود ترتیب دی، اس کے حکم پر اس کو لکھا گیا۔ اس کے حکم کے عین مطابق، اس کی ایک ایک آیت کی ساخت بنائی گئی۔ اور پھر اس زریں معاہدے کی دستاویز کو ہر مسلمان کے سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ وہ اس کو پڑھ لے، سمجھے اور اس کی تمام شقوں پر عمل پیرا ہو۔ یوں یہ ایک آج کی جدید قانونی اصطلاح میں standard term contract کی طرح سامنے آتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا، معاہدوں کا جدید قانون اس نوعیت کے دستاویز کو باضابطہ معاہدہ کا درجہ دیتا ہے۔[2]

جب کوئی بھی قرآن کے اس معاہدے کو قبول کرلے اور قبولیت کا طریقہ دل سے کلمہ پڑھنا ہے اور ساتھ ساتھ معاہدے کے متن، شقوں، آیات، معانی، حقائق، غرض ہر ایک لفظ جو قرآن کے معاہدے میں موجود ہے، اس کی درستگی پر ایمان لانا ہے۔ اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کیونکہ دور حاضر میں جو لوگ standard term یا یکطرفہ مرتب معاہدے (standard term contract) پر سائن کرتے ہیں، یا اس کو I accept کہہ کے قبول کرتے ہیں، تو وہ درحقیقت اس نوعیت کے معاہدوں کی تفصیلی باریک شقوں کو بلاچون چرا قبول

---

[2] معیاری شرائط کے معاہدوں کو اسٹینڈرڈ فارم کنٹریکٹس بھی کہا جاتا ہے۔ یہ پچھلی صدی میں ہی کنٹریکٹ کے قانون میں قبول کیا گیا، اس میں ایک فریق پورے معاہدے کو تیار کرتا اور اسے پہلے سے ڈرافٹ کرتا ہے اور اسے "یہ لے لو یا چھوڑ دو" کی شرائط پر دوسروں کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح، جو لوگ اس بنیاد پر قرآن کو قبول کرنے میں ہچکچاتے ہیں کہ عہد کو قبول کرنے والے کو شرائط پر گفت وشنید کرنے کا کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے، انہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ جدید لین دین میں پہلے سے تیار شدہ معیاری شرائط کیوں قابل قبول ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیں، بین الاقوامی تجارتی معاہدوں کا UNIDROIT اصول سیکشن 2.1.19 جو معیاری شرائط کے معاہدے کی قانونی بنیاد کو تسلیم کرتا ہے۔

کرتے نظر آتے ہیں۔

ایک بار قبول ہو جانے کے بعد، متعدد ذیلی عہد قرآن کی دستاویز کے اندر موجود سامنے آجاتے ہیں، جو ایک مومن کی روزمرہ کی زندگی پر بتدریج لاگو ہوتے ہیں۔ کم از کم چالیس ذیلی معاہدوں کی تفصیلات ہم اس تحقیق کے مذکورہ سیکشن میں آگے دیکھیں گے۔

اگر قرآن کی یکطرفہ مرتب شرائط کو قبول نہ کیا جائے تو ایسا شخص بدقسمتی سے کافر کہلائے گا۔ اللہ تعالی اس کافر کے ساتھ ایک مفصل مخاصمانہ عہد کا اعلان کرتے ہیں۔ قرآن ہی کے توسط سے اور ایسے شخص کو آگے آنے والے نتائج سے آگاہ کیا جاتا ہے، جس میں تفصیلی سزاؤں کا مکمل انکشاف بھی شامل ہے۔

علاوہ ازیں، قرآن کریم کچھ سماجی معاہدوں کے مجموعے اور حکم کے طور پر بھی سامنے آتا ہے۔ معاہدوں کا ایک اور مجموعہ مسلمان کی سماجی اور سیاسی شرکت سے متعلق ہے -خواہ وہ خاندانی، ازدواجی، یا سیاسی عمل میں شرکت ہو یا نظم و نسق، بشمول کمپنی، قانونی ادارہ، حکومتی اتھارٹی وغیرہ کے، یا پھر شہر کا نظم ونسق یا ریاستی امور کو چلانے سے متعلق۔ قرآن بار بار اپنے ماننے والے سے عہد لیتا ہے کہ وہ سماجی زندگی میں قرآن کی مرضی کے مطابق اپنا کردار ادا کرے گا تو اس کو بالعوض انعامات سے نوازا جائے گا۔

قرآن کے مطابق ایک مسلمان کا فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ معاہدوں کو برقرار رکھے، چاہے وہ ملازمت کی شرائط کے حوالے سے ہو یا سامان کی خرید و فروخت، خریداری کے آرڈر، سرمایہ کاری کے معاہدے، لیز (Lease)، کرایہ، یا رہن (Pledge) کے معاہدے۔ یہ بھی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ چونکہ ہر ریاست میں قوانین ایک آئین کے تحت بنائے جاتے ہیں جو کہ بنیادی طور پر ایک سماجی معاہدہ ہے، اس لیے تمام قوانین یا آئین قانون سازی کے عہد ہیں جن کا قرآنی تصور کے تحت ایک فرض کے طور پر احترام کیا جانا چاہیے۔ علم کا حصول اور دنیاوی

فضیلت حاصل کرنا ایک مذہبی فریضہ ہے۔ ایک اچھے مسلمان (متقی) کے خصائص ایک ذمہ دار، قانون کی پابندی کرنے والا شہری والے ہوتے ہیں۔

تاہم، ایک مرکزی موضوع جو اس پورے مطالعہ میں دہرایا گیا ہے، وہ رشتہ ہے جو اللہ اپنے ماننے والوں کے ساتھ قائم کرتے ہیں۔ یہ رشتہ براہ راست ہے، اس کے کئی پہلو ہیں، جو کچھ حقوق کو یقینی بناتے ہیں، اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مسلمان کس دنیاوی دائرہ اختیار میں رہتا ہے۔ لہٰذا، اگر مسلمان کسی ایسے مقام پر ہو جہاں ریاست نے قرآنی احکام کو نافذ کرنے کی ذمہ داری نہیں لی ہے، تو ان کی اخلاقی پابندیاں ریاست کے نافذ کردہ قوانین کے وجود پر منحصر نہیں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے براہ راست عہد کی شرائط کا پابند رہے گا۔ اگر کوئی مسلمان، مثال کے طور پر، سعودی عرب میں رہتا ہے، تو وہ ملک کے قانون کے تحت ممانعت کی وجہ سے شراب پینے سے رک سکتا ہے۔ جبکہ، اگر ایک مسلمان ریاستہائے متحدہ، اسپین، یا ایسی کسی دوسری ریاست میں رہتا ہے جس کے قانون کے تحت شراب کے استعمال یا اس کے کاروبار پر پابندی نہیں ہے، تو ایسے میں مسلمان یہ سوچے گا کہ اس معاملے میں اس کا اللہ کے ساتھ کیا عہد ہوا ہے جس کا وہ پابند ہے۔

# باب اول:
# قرآن کے تحت معاہدے

ذاتی اور سماجی معاہدوں کا تعارف کرانے سے پہلے مناسب ہے کہ دنیا اور عام روزمرہ زندگی کے رسمی معاہدوں کو برقرار رکھنے میں قرآن کی تاکید کو اجاگر کیا جائے۔ ہر مسلمان کو آخرت میں ان معاہدوں کی پابندی کا جواب دینا ہے۔ اس میں جانچ پڑتال اور تمام باریکیوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کیونکہ ہر شخص رضاکارانہ طور پر خود ان معاہدوں میں داخل ہونے کا انتخاب کرتا ہے، اور اس وجہ سے، یہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے عہد کا احترام کرے گا۔ اگر وہ دھوکہ دہی کرے، یا اس کی ایسی نیت ہو تو پھر اسے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

## روزمرہ کے معاہدوں کی پابندی

تمام وعدے یا معاہدے جو ایک شخص اپنی زندگی کے دوران دنیاوی معاملات سے متعلق دوسرے فرد کے ساتھ کرتا ہے وہ رسمی عہد یا معاہدے ہیں۔ ان میں زبانی اور تحریری دونوں وعدے شامل ہیں۔ قرآن ایسے معاہدوں اور وعدوں کا حوالہ دیتا ہے اور ہدایت کرتا ہے کہ ان کو پورا کیا جائے اور متفقہ شرائط پر عمل کیا جائے۔ اس لحاظ سے یہ تمام وعدے، مؤثر طریقے سے قرآن کے حکم کے مطابق باضابطہ معاہدے ہیں۔ انسان، زندگی کے معمول کے کاروبار کے لیے روزانہ معاہدے کرتے ہیں۔ جائیداد کی خرید و فروخت کا معاہدہ، کرایے نامے کا معاہدہ، سامان کی خرید وفروخت کا معاہدہ، ایجنسی کا معاہدہ، بیمہ کا معاہدہ، سامان کی نقل وحمل کا معاہدہ، جائیداد کی لیز کا معاہدہ(Property lease agreement)، ملازمت کا معاہدہ، اور اس طرح کے بے شمار معاہدے۔ ایک مسلمان کے لیے، یہ سب قرآن کے تحت ہونے والے معاہدے ہیں۔ اور ہر معاہدہ کرتے وقت ہر مسلمان کو یہ سوچنا ضروری ہے کہ وہ جو بھی فرائض اپنے اوپر لے رہا ہے، چاہے وہ رقم کی ادائیگی کا ہو، یا کسی کو کوئی مال سپلائی کرنے، وغیرہ۔ تو ان سب فرائض کی جوابدہی اس کو اللہ کے سامنے کرنی پڑے گی۔ کیونکہ ہر معاہدہ جو قرآن کے تحت ہوتا ہے (جس میں تمام نوعیت کے دنیاوی معاہدے آجاتے ہیں، بلا امتیاز، یہاں تک کے زبانی معاہدے) یہ اللہ کے رُوبرو معاہدوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس عہد کے بہت بڑے قانون دان اور مفکر اے کے بروہی نے کہا ہے کہ ہر دنیاوی معاہدہ درحقیقت ایک trilateral contract ہے۔ یعنی آج کے مسلمان کو یہ جان کر شاید حیرانی اور پریشانی بھی ہو کہ ہر دنیاوی معاہدے میں ایک تیسرا فریق اللہ تعالیٰ کی ذات براہ راست منسوب ہے۔

اسی لیے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے معاہدوں کی پاسداری پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔[1] پسندیدہ نہ ہونے کے باوجود اپنے دنیاوی عہد کی پاسداری کرنے والے کے لیے غیر معمولی

---

[1] الفتح:10، بنی اسرائیل:34، التوبہ:4

انعام کا اعلان ہوا ہے۔[2] اس کا بہت جگہوں پر ذکر آیا ہے۔[3]

جدید دور کے معاہدوں میں مومنین اور غیر مسلموں کے درمیان مختلف نوعیت کے خصوصی معاہدے شامل ہوتے ہیں۔ وہ غیر ملکی کمپنیوں کے ساتھ تعمیراتی معاہدے ہو سکتے ہیں، شہروں اور ریاستوں کے درمیان نجی سطح پر سامان کی فروخت سے متعلق معاہدے ہو سکتے ہیں۔ ان میں ٹرانسپورٹ کے معاہدے یا سامان کی گاڑیوں کے معاہدے شامل ہو سکتے ہیں۔ ان معاہدوں میں اصول فقہ کے تحت بیان کردہ عقد کے اصولوں کو مد نظر رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ معاہدے پر اطلاق ہونے والا قانون بھی فریقین کی رضامندی کے ساتھ تبدیل ہو سکتا ہے۔

ان سب معاہدوں کا احترام کیا جانا چاہیے۔ ایک مسلمان پر یہ واضح ہونا چاہیے کہ دور حاضر میں بے شمار بین الاقوامی کنونشنز، agreements، اور treaties کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے ان بین الفریقی معاہدوں میں بلا سوچے سمجھے نہیں کودنا چاہیے، اور بغور ان کی شقوں کی افادیت کو سامنے رکھ کر ان کا حصہ بننا چاہیے۔ لیکن اگر ایک دفعہ آپ نے کوئی بین الاقوامی معاہدہ دستخط کر لیا ہے، اس سے اتفاق کر لیا ہے، تو پھر اس کا احترام قرآن کی رو سے اور سنت رسول ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے بھی لازم ہو جاتا ہے۔ لہذا، عصری معاہدوں کے قانون اور قرآنی احکام، دونوں کے مطابق اس کا لحاظ کرنا ذمہ داری ہے۔ ہم نے یہاں ان لکھے ہوئے رسمی معاہدوں پر بحث کی ہے جو کوئی بھی فرد کسی دوسرے کے ساتھ کرتا ہے، جبکہ یہ بہت حیران کن ہے کہ ہمارے کیے گئے عام زبانی معاہدوں اور وعدوں کو بھی قرآن اتنی سنجیدگی سے لیتا ہے۔ فرمایا گیا: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا

---

[2] البقرہ:184

[3] المعارج:32، المؤمنون:8، آل عمران:76

مَا لَا تَفْعَلُوْنَ[4] (اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی سخت ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو نہ کرو) اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہر زبانی وعدہ، عہد، promise، یقین دہانی جو چاہے اصول فقہ کے اصولوں یا ماڈرن کنٹریکٹ لاء پر پورا اترتا ہو یا نہ ہو، اس کو قرآن کے قانون کے تحت ایک باضابطہ کیا گیا معاہدہ ہی تصور کیا جائے گا۔

---

[4] الصف: 3-2

# بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی

ایک مسلمان ریاست کے کسی دوسری ریاست یا ریاستوں، یا بین الاقوامی تنظیموں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کو بھی قرآنی حکم کے تحت معاہدوں میں شمار کیا جائے گا۔

قرآن میں معاہدوں کے تحت طے کیے گئے اصولوں و شرائط کی رعایت رکھنے کی کافی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ قدیم اور جدید دور میں معاہدے بین الاقوامی تعلقات کے سب سے اہم اوزار رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ کسی بھی معاہدے کے لیے، اللہ اپنے آپ کو گواہ اور ضامن مقرر کرتا ہے، اور در حقیقت، وہ ہر اس معاہدے کا تیسرا فریق ہوتا ہے جو مومنین کرتے ہیں۔[5] اس لحاظ سے، کسی معاہدے کی خلاف ورزی نہ صرف قانونی حکم کی خلاف ورزی ہے، بلکہ یہ بیک وقت ایک گناہ بھی ہے،[6] جو لوگ اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ خود اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ قوموں کے درمیان طے پانے والے عہد کو بھی انتہائی اہمیت کا درجہ حاصل ہونا چاہیے۔[7] ان کے توسط سے مسلم اور غیر مسلم شہریوں کے درمیان پر امن تعلقات پر مبنی حکومت قائم ہوتی ہے۔[8] قرآن کے بعد بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی حضور پاک ﷺ کے طرز حکمرانی سے ہمیں صاف نظر آتی ہے کہ وہ کیسے بطور حکمران، سپہ سالار اور قبیلے کے معزز کے طور پر بے شمار آج کی رُو سے بین الاقوامی معاہدے کرتے چلے آتے ہیں۔ ان کی پابندی بھی کرتے ہیں، اور ان سے حکمت کے ساتھ سماجی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل کرتے ہیں۔

اسی طرح، چاروں خلفاء کی طرف سے غیر مسلم برادریوں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں نے

---

[5] بنی اسرائیل:34، النحل:19، Jamshed A. Hamid, Status of Treaties in Islam (Islamabad: Shariah Academy, 2001), 105.
[6] Jamshed A. Hamid, Status of Treaties in Islam (Islamabad: Shariah Academy, 2001), 109.
[7] Pakistan Law Decisions, 1987 SC (Shariat Appellate Bench) 3,4
[8] Pakistan Law Decisions, 1987 SC (Shariat Appellate Bench) 3,4

اسلامی بین الاقوامی قانون (سِیر) کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا تھا۔[9] مدینہ میں سلامتی اور اتحاد قائم کرنے کے لیے، رسول اللہ ﷺ نے ہمسایہ قبائل کے ساتھ معاہدے کیے تھے۔[10] آپ ﷺ نے میثاق مدینہ پر عمل کیا جو مؤثر طور پر کثیر الجہتی نوعیت کا تھا، کیونکہ اس نے مومنوں، غیر مومنوں اور دیگر عرب قبائل کے درمیان امن و سلامتی کو یقینی بنایا تھا۔[11] معاہدے کا مقصد تمام باشندوں کی جان ومال کی حفاظت اور جارحیت کے خلاف امن و سلامتی کو یقینی بنانا تھا۔ ایک اور مثال ایک دوطرفہ معاہدہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زیادہ طاقتور قبیلے کے ساتھ کیا تھا[12]۔ یہ معاہدہ رسول اللہ ﷺ کے اثرورسوخ کو بڑھانے کے لیے ایک اہم بنیاد ثابت ہوا۔

عصری عالمی معاہدوں کی توثیق ریاستوں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ ان معاہدوں میں اقوام متحدہ کا چارٹر، بین الاقوامی معاہدہ برائے سول و سیاسی حقوق (آئی سی سی پی آر)، تجارتی معاہدے، سرحدی معاہدے، عالمی تجارتی تنظیم کے معاہدے (ڈبلیو ٹی او)، اور ماحولیاتی اور موسمیاتی معاہدے شامل ہیں۔ یہ تعداد سینکڑوں دوطرفہ اور کثیر جہتی اصولوں پر مشتمل ہے جن پر مسلم ریاستوں نے اپنی مرضی سے دستخط کیے ہیں۔ ان سب کا احترام کیا جانا چاہئے اور ان پر عمل کیا جانا چاہئے کیونکہ ان میں سے زیادہ تر معاہدات خلا، پانی اور زمین کے وسائل جیسے عالمی اصولوں کو بہتر بناتے ہیں۔ ہاں البتہ اگر کوئی فریق مخالف چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم کسی معاہدے یا اس کی شق کو یکطرفہ طور پر توڑے یا اپنے کسی عمل سے اس کو بے اثر کردے تو پھر

---

[9] Muhammad Ibn Al-Hasan Al-Shaybani, Kitab Al-Siyar Al-Saghir (Islamabad: Islamic Research Institute, 1998)

[10] Muhammad Ibn Al-Hasan Al-Shaybani, Kitab Al-Siyar Al-Saghir (Islamabad: Islamic Research Institute, 1998)

[11] ایک مثال میثاق مدینہ ہے، جسے پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ میں ابتدائی مسلمانوں کی مکہ سے مدینہ ہجرت کے فوراً بعد قائم کیا تھا۔ یہ میثاق مسلمانوں، یہودی برادریوں اور غیر مسلم عرب قبائل کے درمیان طے پایا جو پہلے سے مدینہ میں مقیم تھے۔

[12] قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ کا معاہدہ۔ یہ ریاست مدینہ کی نمائندگی کرنے والے نبی محمد ﷺ اور مکہ کے قریشی قبیلے کے درمیان ایک اہم معاہدہ تھا۔

صورتحال یکسر تبدیل ہوسکتی ہے، اور ایک قانونی اور جائز جواز میسر آجائے گا۔ اپنے آپ کو مبراء کرنے کی گنجائش نکل آئے گی۔ بعض صورتوں میں اسی معاہدے کے نیچے کوئی اتھارٹی، شخص یا فورم بھی بنایا گیا ہوتا ہے، تاکہ وہ شکایات کی دادرسی کرے۔ لہذا اس صورت میں پہلے ایسے فورم پر جانا ضروری ہے، کسی بھی طاقت کے استعمال سے پہلے۔

# ملکی قوانین کی پابندی

جدید آئین اور قوانین کو وسیع پیمانے پر ریاست اور شہری کے درمیان ایک سماجی معاہدہ کے طور پر مانا جاتا ہے[13]، چاہے شہری مسلمان ہو یا نہ ہو۔ آئین عوام کو خوشحالی اور نمائندگی کی ضمانت دیتا ہے اور بدلے میں عوام سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ آئین کے تحت ریاست کے بنائے ہوئے قوانین کی تعمیل کریں۔ کسی ملک کے شہری ہونے کی وجہ سے، لوگ رضاکارانہ طور پر ریاست کے نافذ کردہ ہزاروں قوانین کے پابند ہونے پر رضامند ہوتے ہیں۔ ریاست قانون سازی کے ذریعے اپنے ریگولیٹری ارادے تشکیل دیتی ہے جن کا شہریوں کو احترام لازم ہے۔ یہ قوانین معاشرے میں مسابقت پر مبنی مفادات کو متوازن کرنے اور اجتماعی بہبود کو یقینی بنانے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ لہٰذا، کسی بھی ملک میں رہنے والے لوگ اپنی ریاست کے ساتھ قانون سازی کے معاہدوں کی وجہ سے قابل اطلاق قوانین پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ ہر ملک کے ہر ایک قانون کی ہر شق ایک عہد یا میثاق کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس کے علاوہ، اگر کوئی مسلمان کسی غیر ملک میں رہ رہا ہے، جیسے شمالی امریکہ یا یورپ میں، تو شہریت کی شرائط کو قبول کرنے کی وجہ سے، وہ رضاکارانہ طور پر اس ریاست کے تمام قوانین کی تعمیل کرنے کے عہد پر رضامند ہو جاتا ہے۔ وہ کسی خاص ملک کے شہری بننے پر رضامند ہو کر قرآنی نقطہ نظر سے ان کی پیروی کرنے کا پابند ہے۔ ایک فرد اور اس ریاست کے درمیان ایک عہد تشکیل دیا جاتا ہے، جس میں شہری کی طرف سے اس ملک کے قوانین کی تعمیل اس کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ایک ہوتی ہے۔ تاہم، یہ بتانا ضروری ہے کہ مذکورہ ممالک کے قوانین جو قرآن کے صریح خلاف ہوتے ہیں، اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں، اور مسلمان اپنے

---

13 "شہریوں اور ان کی حکومت کے درمیان معاہدہ جس کے تحت افراد باہمی تحفظ کے بدلے کچھ آزادیوں سے دستبردار ہونے پر راضی ہوں؛ ایک معاہدہ جو ایک سیاسی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے۔

آپ کو ان قوانین کی دسترس سے دور رکھ سکتے ہیں۔

یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ ملکی قوانین چونکہ باضابطہ مشورے یا شوری کی بنیاد پر پارلیمان سے منظور ہوتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ کسی بھی معاشرے میں کیا چیزیں، اعمال اور کام (معروف) کہلائیں گے، کی بھی شہادت بن جاتے ہیں۔ اسی لیے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں حرام نہیں کھانا چاہیے، یا حلال کمائی کرنی چاہیے، تو در حقیقت ہم کسی قانون کی خلاف ورزی میں کمائے گئے پیسے کا ہی ذکر کر رہے ہیں۔ یوں در حقیقت قانون کی خلاف ورزی کافی حد تک ہمارے نیک اعمال اور بد اعمال کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ ہمیں یہ بھی ذہن نشین ہونا چاہیے کہ دنیا بھر کے بیشتر قوانین اللہ کے بھیجے ہوئے جلیل القدر پیغمبروں اور کتابوں کی تعلیمات کی تحریک سے وجود میں آئے ہیں۔ اگر آپ مزدوروں کے حقوق سے متعلق قوانین اور آئی ایل او کنونیشن ( Conventions of the International Labour Organization) کے تخلیقی عمل پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ مزدور کی عزت ان احکامات پر مبنی ہے جو قرآن، توارات اور انجیل میں بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح شہروں کے قوانین یا لوکل گورنمنٹ کے قوانین جس میں پڑوسیوں کے لیے دس فٹ یا پانچ فٹ کی ہوا کے گزر کے لیے جگہ چھوڑنے کے قوانین سے لے کر عام شاہراہ پر رکاوٹ نہ ڈالنے کی ممانعت تک در حقیقت قرآن کے اصول اور پڑوسیوں کے حقوق سے جا ملتے ہیں۔ بلکہ کئی قوانین میں تو خدا کا ہمیں باضابطہ ذکر ملتا ہے۔ لہذا ہر مسلمان ایک عام قانون کی اطاعت کرتے ہوئے اگر یہ نیت رکھتا ہے کہ وہ در حقیقت قرآن اور سنت میں دیے گئے احکام یا کسی اصول کی پیروی کر رہا ہے، تو یقیناً وہ اپنے آپ کو انعامات کا مستحق قرار دلوائے گا۔

# باب دوم:

# مسلمانوں کے ساتھ اللہ کا معاہدہ

اس حصے میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے اس اہم عہد پر بحث کی گئی ہے جس کا اللہ نے خود اعلان کیا ہے۔ اس کے ساتھ، ہم متعدد ذیلی معاہدوں پر بھی بات کریں گے اور ان پر تبادلہ خیال کریں گے جو مومنین کے ساتھ قرآن کے بنیادی میثاق سے مربوط ہیں۔

# اللہ اور ہر مسلمان کے درمیان عہد

جہاں قرآن مجید کلام اِلٰہی ہے، وہاں ساتھ ہی ساتھ قرآن کریم کو ایک جامع 'معاہدے کی دستاویز' یا 'master covenant' کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے جس میں معیاری شرائط، متعدد دفعات، اور ذیلی عہد شامل ہیں، ان میں سے ہر ایک اللہ کی طرف سے تیار کیا گیا ہے اور تمام انسانوں کو پیش کیا گیا ہے۔ اگر اس عہد کی پیشکش قبول کر لی جائے تو قبول کرنے والا مسلمان کہلاتا ہے اور وہ قرآن کے معاہدوں کی تمام شرائط کا احترام کرنے کا پابند ہو گا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالی نے براہ راست خود تیار کروائی ہیں۔ قبول کرنے والا قرآن کی ان تیار کردہ شرائط یا دفعات میں ردوبدل، دوبارہ گفت وشنید یا تبدیلی نہیں کر سکتا۔ انہیں مکمل طور پر قبول کیا جانا چاہیے۔ اس ضمن میں دس مخصوص ذمہ داریاں ہیں جنہیں معاہدے کی بنیادی شرائط کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ ان میں ایمان کے پانچ اصول شامل ہیں:

- اللہ کی وحدانیت اور اسی سے مدد طلب کرنے پر ایمان۔
- آسمانی کتابوں پر ایمان۔
- اللہ کے رسولوں پر ایمان۔
- فرشتوں کے وجود پر ایمان۔
- اور قیامت کے وقوع پذیر ہونے پر ایمان۔

ان کے علاوہ، مومن سے پانچ اہم شعائر کو بھی پورا کرنے کی امید کی جاتی ہے۔ یہ ہیں: توحید پر یقین، نماز، روزہ، زکٰوۃ، اور زندگی میں ایک بار حج کرنا، اگر صاحب استطاعت ہو۔

ایک شخص جو مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا، مگر اس نے اس قرآنی معاہدے کو پڑھا نہیں، اس کے لیے اچھا ہو گا کہ ایسا پیدائشی مسلمان بھی یقین کے ساتھ اس عہد کی قبولیت کا اعادہ کرے، اسے پڑھے اور پھر پوری زندگی اس پر عمل کرے۔ یہ یقیناً ایک منافع بخش لین دین ہے۔[1]

---

[1] البقرہ:202-201

ہر مسلمان کو ذہن میں بات واضح ہمہ وقت ہونی چاہیے کہ بطور خلیفہ اور نائب اس کو اختیارات ہیں دنیاوی کوششوں کے، مگر وہ کسی اور سے مدد طلب کرنے سے پہلے وہ حتیاط کرے کیونکہ کسی اور سے مدد طلب کرنا قرآنی معاہدے کی ایک انتہائی بنیادی شرط کی خلاف ورزی کہلائے گی۔اسی لیے کسی گزرے ہوئے بزرگ بمع اوتار، نیک شخصیت اور قابل عالم اور نیک روح کی تکریم تو جائزہ ہے، مگر اس سے آگے انتہائی احتیاط کی ضرورت ہو گی۔

کسی کو اللہ کے ہم پلہ سوچنے کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے، اور وہ طاقت جس کے بارے میں یقین دہانی خود اللہ نے کرائی ہے اس کا کسی اور کے بالواسطہ استعمال کا بھی سوچنا احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔ زندگی بھر اس کی وحدانیت کو تسلیم کرنا عہد کی سب سے اہم شرط ہے، اور اس کی بے توقیری، خلاف ورزی کے زمرے میں آتی ہے۔

کسی بھی غیر مسلم کے لیے اللہ کو ماننے کا فیصلہ تو فوری کیا جاتا ہے، لیکن اس کی وحدانیت پہچاننے کا عمل تمام عمر جاری رہتا ہے۔اللہ کی وحدانیت کو ماننے اور اس کی وحدانیت کو پہچاننے میں خاصا سا فرق ہے۔ وحدانیت کو تسلیم کرنا یا پہچان ایک شعوری، مسلسل اور زندگی بھر کا عمل ہونا چاہیے۔ ایک بار جب کوئی اس کی وحدانیت پر یقین کر لیتا ہے، تو پھر ایک ایسا عمل شروع ہوتا ہے جس کے ذریعے انسان زندگی میں مختلف تجربات کا سامنا کرتے ہوئے اللہ کی ذات کی طاقت اور صلاحیتوں کو پہچاننا شروع کر دیتا ہے۔

ہر واقعہ، ہر دن، ہر سفر، ہر مرحلہ، ہر اداسی اور غم اور ہر حالت میں مسلمان کو موقع در موقع ملتا ہے کہ وہ اللہ کی قوت، طاقت، عظمت کو درجہ بدرجہ تسلیم کرتا رہے۔

یہ واضح ہے کہ اللہ تعالٰی کا مسلمانوں کے ساتھ ایک جامع اور مفصل عہد ہے جس میں، وہ دنیا

اور آخرت میں بہت سے فوائد کا وعدہ کرتے ہیں۔[2] پھر، اس کے بعد متعدد مفصل ذیلی عہد و معاہدے آتے ہیں۔ مذکورہ ذیلی معاہدوں کی دفعات قرآن کے متعدد مقامات پھیلی ہوئی ہیں۔ قرآن کی پیشکش کو قبول کرنے والا وہ ہے جو ایمان کو قبول کرے اور ہر معاملے میں قرآنی معاہدے میں لکھی شقوں کو سامنے رکھ کر اپنے روزمرہ کے معاملات، انتخاب اور فیصلے، اسی نیت اور شقوں پر مبنی معیار پر کرے۔

اب آگے، ہم ان ذیلی معاہدوں میں سے بعض پر بحث کرتے ہیں، حالانکہ ان میں سے ہر ایک اپنے طور پر ایک مکمل عہد یا معاہدہ ہے۔

[2] لقمان:8، طہ:132، النحل:122-121، آل عمران:148-147، الانعام:47

## کلمہ کا عہد

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا، قرآن کریم بحیثیت دستاویز ایک بنیادی اور جامع متن پر مبنی عہد ہے جو اللہ کی طرف سے ہر انسان کو آفر یا پیش کیا گیا ہے۔ جو لوگ اس پیشکش کو قبول کرتے ہیں انہیں "مومن" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ قرآن میں اللہ کے ذکر کردہ مندرجات، شرائط اور ضمانتوں پر یقین لے آتے ہیں۔ مذکورہ پیشکش کو قبول کرنے کا عمل بڑا مختصر ہے، جس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ کہتا ہے، "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، (اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)۔ یہ کلمہ رضامندی سے تسلیم کیا گیا اثبات ہے کہ اس کو قبول کرنے والا فرد اللہ کے علاوہ کسی اور کو خدا یا تقدیر کا مالک، خالق، یا واقعات پر اثر انداز ہونے والا نہیں سمجھے گا۔ یہ اللہ کے ساتھ ایک خاص وابستگی ہے، اور اس طرح ایک عہد تیار ہو جاتا ہے جو اب ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کو مجبور کرے گا کہ وہ کسی دوسری ہستی، مردہ یا زندہ انسان، دیوتا، ماورائے مخلوق، فرشتہ یا جن پر اس نیت سے انحصار نہ کرے کہ یہ ہستی، شخص یا مخلوق دنیا یا آخرت میں اس کی مدد کر سکتی ہے۔ ہم اسے عہدِ کلمہ یا شہادت کہہ سکتے ہیں۔

## رسائی کا عہد

جب بھی کسی شخص تک رسائی کی کوشش کی جائے تو وہ شخص اسے قبول یا رد کر سکتا ہے۔ اللہ کے معاملے میں، قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ جب بھی کوئی شخص اللہ تک رسائی کا خواہاں ہوتا ہے، تو قرآن کا یہ عہد ہے کہ اس شخص کو یقینی طور پر رسائی عطا کی جائے گی۔[3] اس طرح، فوری طور پر یقینی رسائی کا عہد اللہ کی طرف سے ہر اس شخص کے ساتھ کیا گیا ہے جو اس ذات تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ رسائی فراہم کرنے کے لیے قرآن میں کسی دفتر، کسی دربان کا ذکر نہیں ہے۔ کچھ بھی مانع نہیں ہے۔ کوئی بھی رکاوٹ نہیں ہے۔ کوئی بھی روک ٹوٹ کسی جانب سے نہیں ہے۔

رسائی حاصل کرنے کا ایک مقصد یا زیادہ مقاصد ہو سکتے ہیں، جیسے مدد کی درخواست، توبہ کی درخواست، یا دنیاوی تعاون کی درخواست۔ رسائی حاصل کرنے کی درخواست جب بھی کی جائے گی تو رسائی بطور بحق عطا کی جائے گی۔[4] اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک باضابطہ نوٹیفکیشن جاری کرتے ہیں 'کہ وہ اپنے پکارنے والے کو سنتا ہے'۔ اس سے دعائیں کریں، وہ ان کا جواب دے گا اور قبول کرے گا۔ لوگ اکثر پوچھتے ہیں کہ اللہ کو کیسے ملیں اور کہاں ملیں یہ تصور درست نہیں ہے کہ اللہ کو تلاش کرنے اور اس کا قرب حاصل کرنے میں برسوں لگتے ہیں، جب مسلمان، یہاں تک کہ کافر بھی، اس تک رسائی حاصل کرنا چاہے تو وہ آسانی سے قابل رسائی ہے۔[5] بنیادی طور پر، یہ ہر پیدا ہونے والے انسان، ہر فرد کے ساتھ پیدا کیے گئے دو بنیادی حقوق ہیں: اللہ تک رسائی حاصل کرنا اور جب چاہے رابطہ کرنا۔

---

[3] المؤمن: 60

[4] المؤمن: 60

[5] البقرہ: 186

## بات چیت کا عہد

ایک بار جب ہم کو اللہ تک 'رسائی' کی ضمانت مل جاتی ہے، تو اگلا مرحلہ اللہ سے بات چیت کرنے کا ہوتا ہے۔ کیا بات چیت مسلمان کی طرف سے ہی محض یکطرفہ عمل ہے، یا اس رابطے کا جواب اللہ کی طرف سے 'سننے' کے عمل سے دیا جاتا ہے؟ اس کا جواب بالکل اثبات میں ہے۔[6] اسی لیے بات چیت کو الگ الگ عہد کے طور پر سمجھا جانا چاہیے۔

ظاہر ہے، بات چیت بنیادی طور پر ہمیشہ دو طرفہ عمل ہوتا ہے، جس میں پہلے بات کے 'شروع' ہونے اور پھر جس کے ساتھ بات کی جاتی ہے اس کی طرف سے 'سننا' شامل ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے خیالات میں اللہ سے بات کرتا ہے تو وہ اسے بھی سنتا ہے۔ اللہ ہم سے کہتا ہے کہ جتنا ممکن ہو اسے 'یاد' کریں۔ یہ چیز واضح ہے۔ ہمارا اللہ ہم سے رسائی حاصل کرنے کے لیے پہلا قدم اٹھانے اور پھر بامعنی بات چیت کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں، چاہے رسمی طور پر ہو یا غیر رسمی انداز میں، اور اس نے رابطے کو صرف وقت، جگہ یا کسی خاص رسم تک محدود نہیں رکھا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، وہ ہمیں رابطے کا عمل شروع کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں اور جواب کی یقین دہانی کر رہے ہیں، اور یہاں تک کہ وہ ہماری دعائیں قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔[7]

'رسائی' اور 'بات چیت' کے معاہدے یکے بعد دیگرے ہوتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ ترتیب وار عمل درآمد ہوتا ہے۔ ہم ان کے فرق کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں: رسائی تو صرف اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے عمل تک محدود ہے، جبکہ بات چیت کا مطلب ہے، جب ایک بار رسائی مل جاتی ہے، تو پھر ایک قدم اور آگے آنا، اور کسی موضوع پر اللہ سے کلام کرنا جس میں کوئی ایجنڈا یا کوئی

[6] البقرہ:186

[7] المؤمن:60، البقرہ:186

بات اللہ کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، رسائی کا عہد اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ جب بھی دستک دی جائے گی، کھڑکی ضرور کھل جائے گی۔ جبکہ، بات چیت کا عہد درخواست گزار کی درخواست یا دعا پر اللہ کی شنوائی کو یقینی بناتا ہے۔

ریاستی عہدوں پر فائز افسران یا مصروف مینیجرز کے ساتھ دنیاوی رابطے کے تمام معاملات میں، ہم سب سے پہلے رسائی کی درخواست کرتے ہیں، اور ایک بار میٹنگ کا وقت مقرر ہونے کے بعد، ہم میٹنگ کے دوران مقصد سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اللہ کے معاملے میں، ہر ایک کو رسائی کا حق حاصل ہے جو اس کا وعدہ ہے اور اس کے بعد کسی بھی موضوع اور مسئلے پر بات چیت کے سنے جانے کا بھی وعدہ قرآن میں لکھ کر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے روزانہ نماز کے اوقات کے ذریعے ہر مسلمان کے لیے اپنے ساتھ باضابطہ بات چیت کرنے کے لیے ایک ملاقات کا وقت مقرر کیا ہے۔ اللہ سب کے لیے براہ راست رسائی کے لیے موجود ہیں۔ ہر زندہ مسلمان یا غیر مسلم کے پاس رسائی حاصل کرنے اور اللہ تعالی سے رابطے شروع کرنے کے مساوی مواقع ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ درخواست کی قبولیت میں فوقیت اہل ایمان کے لیے ہو گی۔

## دعاکاعہد

دعاکا عہد، اللہ کی رضامندی اور اس کے جواب کو یقینی بناتا ہے کہ 'دعا' کو قبول کر کے، بہتر متبادل کاانتظام کر کے،اور فوری طور پہ یابعد میں اس کو وہ چیز عطا کر دی جائے گی۔اس'عہدِ دعا کی مسلمان کی طرف سے ابتدا کی جاتی ہے، اور قرآن کے مطابق، اس عہد کی بجاآوری کی صورت میں اللہ تعالی کی جانب سے یہ خوش خبری سنائی گئی ہے کہ وہ مانگنے والے کو ایک مخصوص اطمینان عطا کرے اور اسے مطلوبہ شکل میں یا بہتر معاوضہ اسی دنیا میں یا آخرت میں عطا کریں[8]۔اللہ تعالیٰ دعا کے عہد کو نظر انداز نہیں کریں گے۔[9] دوسرے لفظوں میں، جب بھی دعا کی درخواست اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اللہ اسے 'قبولیت' کے ریکارڈ میں رکھ لیتے ہیں،[10] دعائیں چاہے وہ دل میں ہو یا زبانی۔[11] یہ ایسے ہی ہے جیسے موجودہ قوانین میں کوئی درخواست پیش کی جاتی ہے تو اسے سنا جاتا ہے،اللہ کا قانون بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ جب بھی اس کے پاس کوئی آتا ہے تو وہ دعا قبول کرتے ہیں۔قرآن میں بے شمار آیات نظر آتی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالی کا بندوں کی دعا قبول کرتا ہیں۔مثال کے طور پر، حضرت ایوب علیہ السلام جو بیمار تھے، جب انہوں نے دعا کی تو انہیں صحت یابی کی راحت ملی۔[12] حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے،انہوں نے نجات کی درخواست کی، تو اسے منظور کر لیا گیا۔[13] لہذا، جو قانونی روایت اللہ نے خود قائم کی ہے،وہ یہی ہے کہ وہ دعائیں قبول کرتے ہیں۔

---

[8] الشوری:26

[9] المؤمن:60

[10] المؤمن:60

[11] النحل:62

[12] الانبیاء:83, 94

[13] الانبیاء:87

کچھ دعائیں جو در حقیقت اللہ نے ہی ترتیب دی ہیں، اپنے پیغمبروں کی زبان سے کہلوا کر قرآن میں تحریر کر دی گئی ہیں۔ کچھ مشہور دعائیں جو لوگ ایک دوسرے کو تجویز کرتے ہیں وہ ہیں: ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا، موسیٰ (علیہ السلام) کی دعا، نوح (علیہ السلام) کی دعا، یا عمران (علیہ السلام) کی دعا۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی شکایت کے لیے دعا کرنے سے پہلے ان دعاؤں کی تلاوت کر لی جائے یہ قبولیت کا ایک طریقہ ہے جسے اللہ نے ہماری سہولت کے لیے قرآن میں درج کیا ہے۔[14]

یہ چیز ذہن نشین رہے کہ اللہ کے نزدیک ہماری عمر طبعی عمر ہی نہیں بلکہ لا محدود زندگی بھی شامل ہے، جو روز قیامت کے بعد ہمیں ملے گی۔ دعا کی قبولیت کا معاہدہ تو قرآن میں اللہ نے یقینا کیا ہے، مگر یہ کونسی عمر کے حصے میں قبول ہو گی، وہ اللہ نے اپنی صوابدید پر رکھ چھوڑا ہے۔ یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ دعائیں ہماری دنیاوی یا طبعی عمر کے دوران ہی پوری ہوں اور کچھ دعاؤں کی قبولیت کے بدلے ہمیں آنے والی لا محدود زندگی میں غیر معمولی انعامات ملیں اور وہ کچھ دیا جائے جو ہماری دعا کے حجم سے بے حد زیادہ ہو۔

دعا کے عہد کو اللہ تعالی اس لیے بھی نبھاتے ہیں کیونکہ دعا کا عمل اللہ تعالی کو پسند ہے کیونکہ در حقیقت یہ بیک وقت اللہ کی پرستش اور عبادت بھی ہے۔ اس سے کچھ بھی مانگنے کا عمل اس کی ذات کی غیر معمولی برتری کا اعتراف بھی تو ہے۔

---

[14] واضح رہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ افراد کی دعا کی قبولیت بعض ممنوعہ کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے مؤخر ہو سکتی ہے۔

## معافی دینے کا عہد

ایک مہربان معاف کرنے والے کے طور پر اللہ تعالی کا دائرہ اختیار ایک منصف کے طور پر اس کے دائرہ اختیار پر غالب ہے جو محض واقعاتی حقائق پر فیصلہ کرتا ہو[15]۔ اللہ تعالی کو نہ صرف معاف کرنا پسند ہے[16] بلکہ وہ خود کو تمام جہانوں میں سب سے بڑا معاف کرنے والا کہلواتے ہیں۔[17] وہ اپنے آپ کو اس کردار میں پسند کرتے ہیں۔[18] صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے قرآن میں ایک خاص تصریح کی ہے[19] کہ اس نے اپنے اوپر مہربان ہونا اور احسان کرنے والا ہونا فرض کر لیا ہے۔[20] یہ اللہ کے ساتھ اللہ کا اپنا عہد ہے۔ انہوں نے قرآن کریم میں، یہ یک طرفہ عہد تقریباً دو جگہوں پر بیان کیا ہے۔[21] اس عہد کو ان کی طرف سے دہرایا گیا ہے تاکہ اس کی رحم کی صفت واضح ہو اور وہ اس کا اظہار کریں۔[22] انہیں معاف کرنے کا شوق ہے۔ اس صفت کو وہ کم از کم تین مختلف قانونی طریقوں کے ذریعے یقین دہانی کراتے اور ثابت کرتے ہیں[23]۔ سب سے پہلے، اللہ اس صفت کو اپنے انبیاء کے ذریعے بیان کرتے ہیں جس میں وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جب بندہ اس کی طرف رجوع کرے گا تو وہ معاف کر دے گا[24]۔ دوم، اللہ تعالی خود قرآن میں یہ فرماتے ہیں اور اسے مختلف شکلوں میں دہراتے جاتے ہیں کہ وہ

---

[15] الاعراف:156

[16] المائدہ:9

[17] البروج:14، الملک:2 الحدید:28، الفتح:14، السجدۃ:32، آل عمران:31، البقرہ:199, 218

[18] النصر:3

[19] بنی اسرائیل:110

[20] الانعام:54

[21] الزمر:53، القصص:67، طہ:82، بنی اسرائیل:119، الاعراف:153، الانعام:54، البقرہ:160

[22] الحجر:49، الاعراف:153، المائدہ:9، النساء:106

[23] الشوری:25

[24] البقرہ:202

قابل رسائی اور معاف کرنے والا ہے[25]۔ تیسرا، ایسی مثالوں اور مواقع کا ذکر کیا جاتا ہے جہاں اس نے پہلی اقوام میں سے توبہ کرنے والے لوگوں، قبیلوں یا حتیٰ کہ انبیاء کے سلسلے میں رحم اور بخشش کا اظہار کیا۔[26]

اللہ تعالیٰ معاف کرنے میں یقیناسب سے بلند ہیں۔ رسول ﷺ نے اس سلسلے میں ایک بہت ہی اہم بات کی ہے۔[27] محض اس بات کو دہرانے کے بجائے کہ اللہ سب سے بڑا معاف کرنے والا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے تین اہم حقائق بیان کیے ہیں: اللہ کے سب سے بڑے معاف کرنے والا ہونے کے تین دلائل ہیں: (الف) اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی تخلیق کے وقت بہت پہلے لکھ دیا تھا کہ اس کی بخشش یا رحمت اس کے غضب پر غالب ہے[28] (ب) یہ مذکورہ بیان ایک دائمی فیصلہ ہے اور جو واضح تحریری شکل میں موجود ہے۔ اور (ج) اس لکھے ہوئے میں کوئی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔

---

[25] الزمر: 53

[26] طہ: 120-122، البقرہ: 37, 54

[27] صحیح بخاری، رقم الحدیث: 79

[28] حدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لما قضى الله الخلق كتب في كتابه فهو عنده فوق العرش إن رحمتي غلبت غضبي۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کر چکا تو اپنی کتاب (لوح محفوظ) میں، جو اس کے پاس عرش پر موجود ہے، اس نے لکھا کہ میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے) صحیح البخاری، رقم الحدیث: 3194

## رحم کا عہد

رحم کا عہد ایک ایسا عہد ہے جس کے تحت اللہ تعالی اپنی 'رحمت' کا وعدہ کرتے ہیں جب انسان کی طرف سے (الف) درخواست کی جائے، (ب) جب قرآن کریم میں بتایا گیا ایک خاص معیار پورا ہو جائے، اور وہ (ج) اللہ کی صواب دید کے مطابق ہو۔ رحمت کی خصوصیت اللہ کی مستقل صفت کے طور پر اپنی الگ شناخت بھی رکھتی ہے۔ یہ، اللہ تعالیٰ کی عموما مرضی اور صوابدید پر منحصر ہوتا ہے، اور اس میں کسی پیشگی شرط کے ذریعے کوئی قید نہیں لگائی گئی ہے۔ تاہم، رحم کا حقدار بننے کے لیے قرآن نے کچھ اقدامات بتائے ہیں جسے ہم عہد نامہ کہہ سکتے ہیں۔

رحم کا وصف، معافی کے عہد کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ تاہم، یہ کچھ صفات کی وجہ سے واضح طور پر ممتاز بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو معاف کرنے کا عہد کرتے ہیں جو اسی کی طلب کرتے ہیں، مانگتے ہیں یا توبہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف، رحم کا عہد نہ صرف معافی کی درخواست کا پابند ہے بلکہ اس کا استعمال اللہ کی خود مختار صواب دید پر ہوتا ہے[29]۔ وہ بندوں کو اس کے لیے چنتا ہے۔ عہدِ رحمت کی وسعت معافی کے عہد سے کہیں زیادہ وسیع ہے، کیونکہ عہدِ رحمت تمام مخلوقات پر محیط ہے جو موجود ہیں اور یہ صرف نسل انسانی تک محدود نہیں ہے اور نہ ہی یہ صرف مسلمانوں تک محدود ہے۔

---

[29] الفتح:25، یوسف:56، التوبہ:27

## شکر گزاری کا عہد

قرآن کریم ایک مسلمان پر زور دیتا ہے کہ وہ اس زندگی کے لیے شکر گزار ہو جو اسے دی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر فوائد، مال، صحت، فکری قابلیت وغیرہ بھی شکر کا تقاضا کرتیں ہیں[30]۔ کئی مقامات پر وعدہ لیا گیا ہے کہ شکر گزاری کا عمل منافع اور انعامات کے ساتھ لوٹایا جائے گا، اور اس دنیا میں بھی اجر کئی گنا کرے گا۔ اس طرح، خدا کا بندے کے ساتھ معاہدے کے فریق کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ یعنی ہر شکر گزار مسلمان کے ساتھ معاہدہ۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو پابند کرتے ہیں کہ اگر کوئی وقتاً فوقتاً اور مناسب طریقے سے اس کا شکر ادا کرے تو اسے عطا کریں گے۔

ہمارے جسموں اور شخصیت میں اللہ کے عطیات کے واضح ثبوت ہیں[31]۔ ہمیں اس کی رحمت تلاش کرنے کے لیے دور جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہمیں صرف اپنے اندر کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہم سب آیات ہیں، جس کا مطلب ہے، ثبوت۔ یعنی ہم سب اللہ کی حاکمیت کا ثبوت ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے طور پر 'ثبوتوں یا دلائل کا ایک بہت بڑا ذخیرہ' ہے۔ اپنے ہاتھوں اور آنکھوں کو 'نعمت کی دلیل' کے طور پر دیکھیں اور دیکھیں کہ ہماری انگلیاں اور انگوٹھے کتنے پیچیدہ افعال انجام دیتے ہیں، ہماری پلکیں کتنی مفید ہیں، اور آنکھ باہر کی دنیا کی تصویروں کو کس طرح دیکھتی ہے۔ نعمت کی اہمیت جانچنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ چشم تصور میں اسے منہا کر کے نتائج کا اندازہ لگالیا جائے۔ نعمت کی افادیت بالکل واضح ہو جائے گی۔ یعنی، آنکھ کو منہا کر کے سوچیں، ذرا اُنگلی، ہاتھ، پیر اور ٹانگ کو منہا کر کے سوچیے۔ چلیں اطراف اور ماحول میں سے ذرا سوج کو منہا کر کے سوچیں، اور کچھ نہیں تو بادل، بارش اگر

---

[30] البقرہ:35، الجاثیہ:12، النحل:73، المؤمنون:78

[31] الذاریات:21-20

مفقود ہو جائے تو پھر حالات حاضرہ حضرتِ انساں کے کیا ہوں گے؟ کیا میں اور آپ مسلسل اندھیروں، مسلسل سردی کے ہوتے ہوئے پنپ پائیں گے۔

شکر ادا کرنا بھی اللہ کو یاد کرنے کی ایک شکل ہے، اور یہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا جانا چاہیے۔[32] 'تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں'[33] یہ قرآن میں ایک دلچسپ ترکیب ہے ۔ہم اکثر شاعروں، ادیبوں، مفکروں، کھلاڑیوں، گلوکاروں، فنکاروں اور انجینئروں کی جو تعریفیں کرتے ہیں، یہ تعریف دراصل اس شخص کی قابلیت کی نہیں ہے جو اس کے پاس ہے، بلکہ یہ تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے وہ صلاحیت پیدا کی اور اس بندے میں وہ صلاحیت ڈالی جس نے اسے دنیاوی کردار میں قابل تعریف بنادیا۔ تمام مومنین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں کیونکہ وہ آخر کار اس کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہیں۔ تاہم، وہ بعض لوگوں کو اپنا دوست قرار دیتے ہیں جو ظاہر ہے کہ ترجیحی سلوک کے حقدار ہوں گے۔ قرآن میں ایک منفرد ترتیب میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ ناشکرا کبھی بھی اس کا دوست نہیں ہو سکتا۔[34]

---

[32] الاحزاب:41

[33] العنکبوت:63، الفاتحہ:1

[34] البقرہ:276

# سخاوت کا عہد

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے لیے کچھ واضح ترغیبات دی گئی ہیں جن میں سے سب سے اہم ترغیب یہ ہے کہ سخاوت کرو[35]۔اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں ہر سخی شخص کو انعام دینے کا معاہدہ کرتے ہیں۔ جو لوگ سخی نہیں ہیں اللہ تعالی نے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔[36] سخاوت نہ کرنے والے ان میں شامل نہیں رہتے جو اللہ کے پسندیدہ ہیں۔[37] سخاوت کرنے والوں کے انعامات میں کئی گنا اضافہ کیا جاتا ہے۔اس کی مثال قرآن میں اناج کے دانے کی دی گئی ہے جب وہ اگتا ہے تو سات بالیاں ہوتی ہے اور ہر ایک میں سو دانے ہوتے ہیں۔[38] پھر انعامات کی شکل کوئی بھی ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر، وہ مادی مدد کی شکل میں ہو سکتے ہیں یا دنیاوی حیثیت میں کسی اور طرح اضافہ لا سکتے ہیں۔ ہمیں یقین دلانے کے لیے، اللہ تعالیٰ نے سخاوت کی انعام کی شکل میں یقینی واپسی کا اشارہ دیا ہے۔[39] قرآن میں کئی مقامات پر، وہ وعدہ کرتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں سخی لوگوں کو ادائیگی ان کی توقعات اور حساب سے کہیں زیادہ ہو گی[40]۔

لوگوں کی مدد کرنے کے عمل کو مختلف نام دیے گئے ہیں۔ تحفہ، خیرات، صدقہ، قرضہ، عام اشیاء کی چیزوں کی بانٹ۔ان میں سے ہر ایک عمل کھلے عام کیا جائے یا خاموشی سے، یہ بغیر کسی اعلان کے اللہ کے ساتھ ایک معاہدے میں تبدیل ہو جاتا ہے، یعنی ہر خیرات، ہر صدقہ، ہر تحفہ، ہر قرض، روزمرہ کی چیز کا کسی ضرورت مند کو دینا، دینے والے کے ساتھ اللہ کو ایک

---

[35] المنفقون:10، الحدید:18، 11، 10، 7

[36] التغابن:17-16

[37] اللیل:8-11، الحدید:24، النساء:37، آل عمران:180

[38] البقرہ:261، 272

[39] البقرہ:261

[40] الفاطر:30

معاہدے میں باندھ دیتا ہے، جس کی رو سے اللہ نے اپنے آپ کو خود پابند کیا ہے، انعام سے نوازنے کا۔[41] قرآن میں ایک جگہ اعلان کیا گیا ہے کہ صدقہ کرنے والوں کو ان کے رب کے پاس اجر ملے گا اور وہ نہ ڈریں گے اور نہ غمگیں ہوں گے[42]۔ بعینہ لوگوں کے لیے سزا کا وعدہ بھی ہے جو قرآن کے بتائے ہوئے طریقے پر خرچ نہیں کرتے۔[43]

---

[41] الفاطر: 29

[42] السبا: 39، البقرہ: 274

[43] التوبہ: 35-34، آل عمران: 180

## عبادات وشعائر کا عہد

مسلمانوں کو دل سے اللہ کے تجویز کردہ یک طرفہ تفصیلی معاہدے کو دلی طور پر قبول کرنا ہے، نیک نیتی کے ساتھ جس کو موجودہ قانون میں in good faith کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کے معاہدے میں کچھ شقیں ظاہری مظاہر کی بھی بیان کی گئی ہیں۔ جیسے کہ مخصوص جسمانی عبادت یا کسی خاص رسم کو ظاہر کرنے والے کچھ اعمال بجالانا۔ دن میں پانچ بار نماز پڑھنا، تیس دن کے روزے رکھنا، زندگی میں ایک بار حج پر جانا اگر استطاعت ہو، اور سال میں ایک بار جانوروں کی قربانی وغیرہ، جیسے شعائر شامل ہیں۔ ان امور پر عمل کرنے پر ہر مسلمان کے ساتھ ثواب کا عہد ہے اور اگر کارکردگی میں کوتاہی ہو تو پھر سزا بھگتنی ہو گی۔ اس لیے شعائر کے سلسلے میں عہد قائم کیا گیا ہے۔ ایک اور مثال عیدالاضحی پر جانور کی قربانی ہے۔ کوئی شخص اس کے بدلے برابر رقم کا صدقہ دے سکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جانور کی قربانی کی مکمل رسم ادا کرنے کے اصل عمل پر ثواب کا عہد کرتے ہیں۔ یہ ایک طاقتور علامت ہے جو اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ اس کی مخلوق کے طور پر، ضرورت پڑنے پر ہم سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔ یہ اس کی ذات کی اطاعت اور اس کے احکام کی اطاعت کا اظہار بھی ہے۔ یعنی ہر مسلمان کو بیک وقت عبادات وشعائر کے معاہدے کو بھی نبھانا ہے اور ساتھ ساتھ حقوق العباد کے معاہدے کو بھی۔ دونوں میں سے صرف ایک پر عمل درآمد اللہ کی نظر میں کافی نہیں سمجھا گیا۔ یہ بھی واضح رہے کہ مسلمان کو اپنی عبادات اور نیک اعمال میں توازن رکھنا چاہیے۔ فرض عبادات کے ساتھ نیک اعمال بھی لازم وملزوم ہیں۔ اسی طرح، اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور دفتر کے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک کے بغیر صرف عبادات پر توجہ مرکوز کرنا بھی مددگار ثابت نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ انہیں کسی کی عبادات کی حاجت نہیں ہے، کہ جس میں کوئی شخص مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتا رہے[44]۔

---

[44] البقرہ:177

## نماز کا عہد

نماز اپنی ساخت اور اہمیت کے اعتبار سے اعلیٰ عبادت کے ایک خصوصی معاہدہ کی شناخت کی حامل ہے۔ اگرچہ ہم نے اختصار کے ساتھ نماز یا پانچ وقت کی نماز کا ذکر شعائر اور عبادات کے عہد کے تحت بھی کیا ہے لیکن دنیا اور آخرت، دونوں میں مسلمان کی زندگی میں نماز کی اہمیت کے پیش نظر یہ ایک الگ معاہدے کی حیثیت کی بھی متقاضی ہے۔ اس کے ادا کرنے کے نتیجے میں ہر نمازی کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ اسے اللہ کے ساتھ براہ راست رسائی ہے، ایسے کاموں سے بچا لیا جاتا ہے اور رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں جو غلطی ہو، ضابطوں کی خلاف ورزیاں ہوں، جو رائج معروف سے متصادم ہو، جس کو کرنے پر ایک عام انسان کو شرمندگی اور خفت اٹھانی پڑے، مزید یہ کہ بعد از مرگ آسانیاں، برزخ میں پرسکون ایام اور یوم الدین کو خصوصی رعایت، یہ سب نماز کے معاہدے میں شامل ہیں۔

نیز، نماز کے ایک عہد ہونے کے علاوہ، خود نماز کے مختلف مرحلے مسلمان کی طرف سے اللہ کی جانب انتہائی بامعنی پیغام ہوتے ہیں اور ان کو اتنی ہی سنجیدگی اور یکسوئی سے پہنچانا چاہیے۔ جیسا کہ اس میں اظہار ہوتا ہے کہ: (الف) تمام تعریفوں کی ملکیت اللہ کے لیے ہے، (ب) وہ سب سے زیادہ مہربان اور فائدے دینے والے ہیں، کیونکہ اس نے وسیع global commons، حشرات، ماحول، سمندر، ہوا، روشنی کا اہتمام کر رکھا ہے (ج) وہ جزا کے دن کے مالک ہیں اور انسانی زندگی کے آڈٹ کے تمام ریکارڈ کی ملکیت بھی انہی کی ہے، (چ) صرف وہی ہیں جن کی عبادت کی جاسکتی ہے اور اس سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ، مخصوص انبیاء کے پیروکاروں کو سلامتی بھیجنے والی انفرادی مخصوص دعائیں اور چند اور اہم ارکان و اعمال شامل ہیں جن پر بات کر لیتے ہیں۔

نماز کا آغاز معروف سورت فاتحہ کی تلاوت سے ہوتا ہے۔ یہ مستند طور پر بیان کیا گیا ہے کہ

جب کوئی مسلمان اس سورت کی سات آیات کی تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر آیت کا خود جواب دیتے ہیں تو وہ از خود ایک یقین دہانی کا عہد بنتا چلا جاتا ہے[45]۔ سورۃ الفاتحہ، زندگی کے عملی مقاصد کے لیے، اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے تیار کی گئی ایک درخواست ہے، ایک پٹیشن ہے جس کے لیے صرف اس کی تلاوت کی ضرورت ہے۔ اس میں قرآن کا خلاصہ بھی ہے۔ یہ ایک معیاری دستاویز کی طرح ہے، جو خود اللہ نے پہلے سے تیار کی ہوئی ہے، اس لیے اس نے اس سورت میں ایسے مضامین اور مسائل کو شامل کیا ہے جو اللہ کے نزدیک بہت اہم ہیں۔ سورۂ فاتحہ کی درخواست ایک ایسے فقرے سے شروع ہوتی ہے جس کے معنی کی گہرائی نمایاں ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ 'تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں'[46]۔ ایک کھلاڑی، شاعر، مصنف، یا تاجر، غرض ہر شعبے کے ہر بندے میں جو صلاحیت ہے وہ دراصل خدا کی ہی ملکیت ہے اور اس لیے وہی حقیقی تعریف کا اصلی حقدار ہے۔ گویا جو تعریف، توصیف اور تالیاں کسی کھلاڑی، شاعر، مصنف کی صلاحیتوں کے لیے کی جاتی ہیں، ان کی ملکیتی حقوق دراصل اللہ ہی کے ہیں۔

رکوع اور سجدہ کرنے کے بعد، تشہد کے دوران، نمازی بیٹھتا ہے تو یوں جانیے کہ وہ یہاں گواہی کے کٹہرے (witness box) پر آ بیٹھا ہے اور شہادت کی انگلی اٹھا کر گواہی دیتا ہے جو شاید احکام نماز میں سب سے اہم ترین بیان ہے، یعنی کہ: ''میں اس امر اور حقیقت کا گواہ ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں''۔ واضح رہے کہ مسلمان سے اپنی رائے دینے کے لیے نہیں کہا جا رہا ہے، بلکہ گواہی دینے والے ہر مسلمان سے کہا جا رہا ہے کہ وہ یہ شہادت بطور عاقل و بالغ اور بقائے ہوش و دوام شعوری طور پہ دیں کہ، " اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔" دوسرے لفظوں میں، اللہ کی

---

45 صحیح مسلم، رقم الحدیث: 41

46 بنی اسرائیل: 111

وحدانیت کسی بھی شخص کے خیالات یارائے سے آزادایک قائم شدہ حقیقت ہے۔ یہ ایک غیر متنازعہ حقیقت ہے،اور مسلمان سے کہاجاتاہے کہ وہ اس حقیقت پر آزادانہ گواہی دے اورا گر ہوسکے تو سوچ سمجھ کراور تمام توجہ کے ساتھ گواہی دے کہ: اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ۔

## اپنے نائب کے ساتھ عہد

خالق کائنات نے انسانوں کو زمین پر اپنا خلیفہ قرار دیا ہے، یہ خلعت اسے اختیار، مہارت اور اہلیت کی بنیاد پر اللہ کے مندوب یا جانشین کے طور پر عطا کی گئی ہے[47]۔ لہذا ہر خلیفہ کے ساتھ اللہ تعالی نے خلعت سے نوازنے کا ایک معاہدہ کیا اور اسی معاہدے میں اس کی حدود و قیود بھی بتادی گئیں۔ خلیفہ کو وہ سب کچھ سکھایا گیا ہے جو اسے معلوم نہیں تھا[48]۔ اس نے انسانوں کو کچھ خوبیاں عطا کیں، لیکن یہ خلعت ایک اعزاز اور عطا کی طرح ہے نہ کہ اللہ کی طاقت میں شرکت کا اختیار۔ یعنی ہم میں سے ہر ایک کو خلافت کا یا deputy بنانے کا یہ اعزاز قرآن میں ایک بہت اہم قانونی پیش رفت ہے۔ خلیفہ کے ساتھ اس معاہدے سے آزادی یا فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور مذکورہ اہلیت کو استعمال کرنے پر پابندیاں دونوں پہلو نکلتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو خالق کائنات کی طرف سے خلعت دینے یا تفویض کرنے کا یہ عمل کچھ تحفظات اور پابندیوں کے ساتھ مشروط ہے، اور یہ مل کر ایک مکمل عہد کا فریم ورک تشکیل دیتے ہیں۔

تاہم، بعض اوقات اسے غلطی سے اس طرح دیکھا جاتا ہے جیسے نائب کو اقتدار اعلیٰ سونپ دیا گیا ہو۔ یہ غلط ہے؛ اقتدار، یا حاکمیتِ حقیقی، اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کی طاقت ناقابل تقسیم ہے۔ وہ صرف اپنے خلیفہ کو کچھ مہارتیں عطا کرتے ہیں، یا اسے علم کے کچھ شعبوں کو سیکھنے کے قابل بناتے ہیں۔ جو کوئی بھی مقتدر اعلی کی طاقت میں شریک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ مسترد کر دیا جاتا ہے، اور ایسا دعویٰ کرنے والا شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

ہم میں سے ہر ایک اللہ کی زمین پر ایک خلیفہ، نمائندہ اور نائب ہے،[49] اور ہمیں مخصوص

---

[47] البقرہ:30

[48] القدر:5

[49] الانعام:165

خاندانی اور سماجی پس منظر دیا گیا ہے، مختلف موسموں اور خطوں کے ماحول میں پرورش دی گئی ہے، مختلف ملکی اور معاشرتی فریم ورک دیے گئے ہیں، اور زمین کے مختلف ملکوں، شہروں اور قصبوں میں رکھا گیا۔ مقتدرِ اعلیٰ، یعنی اللہ تعالی کی طرف سے ہماری متنوع ذمہ داریاں ہمارے کردار اور افعال کو چیلنج کرتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو free will یا آزادی سے نوازا گیا ہے اور فیصلہ سازی کی صلاحیت بھی دی گئی ہے۔ ہمیں کسی ایک عمل کو دوسرے پر منتخب کرنے کا حق ہے۔ ہم دائیں بھی مڑ سکتے ہیں اور بائیں بھی، ہم دشمنی بھی کر سکتے اور دوستی بھی، ہم غصے میں بات کر سکتے ہیں اور نرم خو بھی، ہم کسی سے تمیز سے بات کر سکتے اور بدتمیزی سے بھی۔ غرض ہماری آزادی جو بطور خلیفہ ہمیں تفویض کی گئی اس کے استعمال کے نتیجے میں ہم اپنے اختیارات کا استعمال اچھا بھی کرتے ہیں اور کبھی کبھی بدقسمتی سے برے طریقے سے بھی۔ جبکہ قرآن جو ہمارا خلیفہ کے اعلان کرنے کی دستاویز بھی ہے، خود خلیفہ کو اس کے اختیارات اور آزادی کے معقول استعمال کی تفصیلات بتائے ہوئے ہیں۔ مزید یہ کہ اس عہد کے تحت ہماری قسمت کا فیصلہ کیا جائے گا، جس نے جیسی ذمہ داری نبھائی اسے ویسا اجر ملے گا۔

## خریدے ہوئے مؤمن کا عہد

ایک مسلمان کا اللہ کے ساتھ جو ایک غیر معمولی تعلق ہو سکتا ہے اس کی وضاحت کرنے کا ایک طریقہ، یہ کہنا ہے کہ اللہ نے اسے 'خرید لیا' ہے۔

خرید و فروخت کے جدید قانون کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ تعبیر ایک غیر معمولی قانونی تعلق کا بہترین خلاصہ ہے[50]۔ یہ ایک قسم کا عہد ہے جسے مسلمان کو الگ سے طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جب کوئی فرد مسلمان ہو جاتا ہے تو یہ خود بخود نافذ ہو جاتا ہے۔ مسلمان اپنی غفلت کی وجہ سے اپنے آپ کو اس سے دستبردار کروا سکتا ہے۔ مسلمان کو اپنے معاہدوں پر قائم رہنا چاہیے اور ایسے اعمال اور نیت کرنا ہو گی، جیسے وہ اللہ کے نام پر اپنی جان، مال، جائیداد یا اثاثے، سب کچھ دینے کے لیے تیار ہو۔ بلاشبہ اللہ نے مؤمنین سے ان کی زندگیوں اور اثاثوں کو جنت میں دائمی مقام کے بدلے 'خرید لیا' ہے[51]۔

کسی بھی خریدار کے فرائض یہ ہوتے ہیں کہ وہ جو کچھ بھی خریدتا ہے وہ اس کی ملکیت میں آجاتا ہے۔ اب اس کی حفاظت کرنا، اس کی دیکھ بھال کرنا، اور اس کا خیال رکھنا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بھی سامان جیسے گاڑی، گھڑی، لیپ ٹاپ، یا اس معاملے کے لیے، کوئی دوسری مادی جائیداد کا خریدار ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص مذکورہ خریدی گئی شے کو کسی بھی نقصان یا خرابی سے بچانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

اسی طرح، ہمارے خریدار (اگر ہم واقعی یقین رکھتے ہیں کہ ہم خریدے ہوئے ہیں) یقیناً ہماری حفاظت کریں گے اور جس طرح سامان کی فروخت کے اصولوں کے مطابق نہ صرف

---

[50] سامان کی فروخت کا قانون ملکی قوانین اور بین الاقوامی قانون دونوں میں ایک مجاز تصور ہے۔
[51] التوبہ:111

ملکیت منتقل ہوتی ہے بلکہ سامان میں کسی بھی حادثے کے خطرے[52] کا ذمہ بھی خریدار پر ہی منتقل ہو جاتا ہے۔اب، خریدار سامان کی حفاظت مکمل طور پر ذمہ دار بن جاتا ہے۔

آج کا یہ قانون ہمیں باور کراتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بطور خریدار ہمارے بے شمار حقوق، پریشانیوں، آزمائشوں کا ذمہ اٹھالیا ہے۔اگر ہم ذہنی اور دلی طور پر تسلیم کرلیں کہ ہمیں تمام کائناتوں کے سب سے امیر اور بااثر خریدار میں سب سے امیر اور بااثر خریدار نے خرید رکھا ہے۔

[52] سامان کی فروخت کے قانون کے تحت خطرے (Risk) کا ہونا ایک معروف تصور ہے۔ The American Journal of Comparative Law 27, no. 2/3 (1979): 291–310.

# وکیل کا عہد

اللہ نے ہمارے لیے خود کو بہ طور وکیل (اٹارنی) پیش کیا ہے، اور کہا ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو چھوڑ کر اللہ کو اپنا وکیل بنائیں[53]۔ دوسرے لفظوں میں، انہوں نے ایک مستقل پیشکش کی ہے یا دورِ حاضر کے تناظر میں ایک وکالت نامہ ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ ہمیں اپنے دل میں پوری نیک نیتی کے ساتھ اس پر دستخط فرض کرنے ہوں گے، اور پھر اللہ تعالیٰ یقین دلاتے ہیں کہ وہ ہمارے تمام معاملات کا خیال رکھیں گے۔ پھر اس پیشکش کے ذریعے اللہ اور ہر مسلمان کے درمیان ایک اور عہد قائم ہوتا ہے۔ 'کفیل' یا 'وکیل' کا لفظ قرآن میں تقریباً اٹھارہ مرتبہ استعمال ہوا ہے،[54] لیکن بنیادی طور پر ایک امانت دار، سرپرست، یا معاملات کو طے کرنے والے کے وسیع سیاق وسباق میں۔

ہم جانتے ہیں کہ جدید دنیا میں، ایک وکیل کا کام مؤکل کے بہترین مفاد کی نمائندگی کرنا ہے۔ مؤکل منتخب کردہ وکیل اور اس کی اہلیت پر بھروسہ کرتا ہے اور پھر اس کے ہر مشورے اور رہنمائی کو قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے یہی توقع رکھتے ہیں: کہ ہم، اس کے مؤکل کے طور پر، اس کی ہدایات پر عمل کریں۔ یہ ہر مسلمان کے معاملات کو سلجھانے کے لیے ایک بھرپور نمائندگی ہے۔ وہ ایک غیر معمولی اٹارنی ہیں کیونکہ مسلمانوں کو پیش کردہ حفاظت، ضمانت کی صورت میں دی جاتی ہے جب صارف اپنے اٹارنی کے طور پر اللہ پر مکمل یقین رکھتا ہو۔ مستند طور پر دی گئی یقین دہانی ہی ایک بہتر نتیجہ کی ضمانت ہوتی ہے[55]۔ سب سے زیادہ بااثر ذات ہمارے دفاع میں کھڑے ہونے کو تیار ہے۔ قرآن کے مطابق، کفیل وصارف کے معاہدے

---

[53] المزمل: 9

[54] الاحزاب: 48،3، الفرقان: 43، بنی اسرائیل: 2،68، ھود: 12، یونس: 108، الانعام: 109،107،102،66، النساء: 171، 81، آل عمران: 173، المزمل: 9، الشوریٰ: 6، الزمر: 62،41

[55] الاحزاب: 3

میں مؤکل سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی دنیا اور آخرت کی فلاح کو یقینی بنانے کے لیے اٹارنی کی ہدایات کی مکمل طور پر پیروی کرے گا۔

اللہ تعالی بہ طور وکیل، واضح کرتے ہیں کہ وہ اکیلے ہی کافی ہیں، اور مؤکل کو کسی اور کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ مؤکل کو کسی مردہ یا زندہ سے مزید مدد طلب نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ اسے پسند نہیں کرتے اگر مؤکل مدد اور رہنمائی کے لیے کسی اور ذریعہ سے رابطہ کرے، کیونکہ اس کا مطلب اللہ کی ذات پر بطور وکیل اعتماد کی کمی ہو گا۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اللہ کو وکیل بنانے کے بعد مؤکل بے فکر ہو جائے۔ کسی بھی جدید دور کے مؤکل کی طرح، مومن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ چوکس رہے اور اپنے وکیل کے مشورے کے مطابق کام کرے اور اپنے طرز عمل میں تبدیلی لائے، تاکہ ان کی اپنی لاپرواہی، بے وقوفی یا غفلت کے رویے کی وجہ سے اپنے جلیل القدر وکیل کے منصوبے اور اہداف پر کوئی اثر نہ ڈالے۔

## خالق اور مخلوق کا عہد

ایک تعلق جو اللہ اور انسانوں کے درمیان ہے، وہ خالق اور مخلوق کا باہمی عہد ہے۔ وہ بھی ایک قانونی رشتہ سامنے لے کر آتا ہے جو اللہ تعالی اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان قائم کرتے ہیں[56]۔ یہ رشتہ بھی عہد کے زمرے میں آتا ہے۔ اللہ تعالی اعلان کرتے ہیں کہ ہم انسان اس کے بندے ہیں[57]۔ اس تناظر میں، وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ کبھی ناانصافی نہیں کرتے۔[58] 'اللہ کے بندے' کی اصطلاح نبیوں کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے اور مسلمانوں کے لیے بھی[59] جو کہ دونوں، یعنی عبد اور رسول کی دوہرے خطاب کے حامل ہیں۔ عبد کو مزید ایسے فرد کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے جو اللہ کے ''غلام'' کے طور پر کام کرنے کا کردار اپنا سکتا ہے یا رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو اللہ کا ''غلام'' قرار دیتا ہے۔ 'اللہ کی خدمت' میں رہنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ نمازیں ادا کرے، مخفی اور ظاہری طور پر صدقہ کرے، اور اس پر ایمان لائے[60]۔ اللہ اپنے بندوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور ان کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

'اللہ کا بندہ' کو 'اللہ کا غلام' قرار دینے سے خالق اور مخلوق کے درمیان ایک اور اضافی عہد قائم ہوتا ہے۔ کوئی بھی مخلوق ایک تخلیق کے طور پہ، اپنے مالک کی مرضی کے آگے جھکتی ہے۔ آقا اور غلام کے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ یہ بندہ یا عبد، اللہ کا ماتحت ہے اور انسان ہر اس چیز پر عمل کرنے کا پابند ہے جو مالک کا حکم ہو۔ اللہ کے ہر بندے کے پاس یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ خود اعلان کرے یا "آقا خادم کے عہد" یا "آقا غلام کے عہد" میں اپنے نام کا اندراج کرے۔

---

[56] المؤمنون:12-14

[57] آل عمران:20،30،15

[58] آل عمران:182

[59] ص:17،41، مریم:2، الکہف:1، بنی اسرائیل:1,3، الانعام:88-89

[60] ابراہیم:31

## مقروض اور قرض دہندہ کا عہد

اللہ تعالی قرآن کریم میں ایک ایسا عہد بھی بیان کرتے ہیں جس میں وہ ایک مسلمان کو ایک نوعیت کی برتری عطا کرتے ہیں: ایک مقروض اور قرض خواہ کا عہد۔[61] یہ کوئی قانونی افسانہ نہیں ہے بلکہ یہ براہ راست اعلان شدہ معاہدہ اللہ تعالی خود قائم کرتے ہیں، ہر اس مسلمان کے ساتھ جو صدقہ خیرات کرتا ہے۔

دیگر تمام معاہدوں میں جو اللہ نے اپنی مخلوقات کے ساتھ کر رکھے ہیں، اللہ ایک غالب فریق کے طور پر سامنے آتے ہیں جس میں غیر مساوی سودا ہوتا ہے۔ انسان دوسرے تمام قانونی رشتوں میں اللہ کا تابع ہے، جیسے اللہ کا بندہ ہونا، اللہ کی رعایا، اللہ کی مخلوق، اللہ کا خلیفہ ہونا، وغیرہ۔ مگر یہاں اللہ تعالیٰ حیرت انگیز طور پر اپنی ذات کو اپنی مخلوق کا مقروض قرار دیتا ہے، اور وہ اپنی مرضی سے قرض دار ہونے کی شرائط پیش کرتا ہے۔ وہ اعلان کرتے ہیں کہ کون اللہ کو قرض حسنہ دینے کو تیار ہے؟[62]

اس معاہدے میں سب سے بڑا اطمینان یہ ہے کہ مقروض ذات، کائنات کی سب سے معتبر اور سب سے زیادہ وسائل والی ہستی ہے، اس لیے وہ قرض کی ادائیگی اس سے کہیں زیادہ بہتر مقدار یا انداز میں کر کے اس ذمہ داری کو ادا کرے گی۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، اس عہد کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ شاید واحد قانونی ضابطہ ہے جس میں مخلوق کو قادر مطلق پر ایک ذمہ داری ڈالنے کی اجازت دی گئی ہے، اور خالق نے اسے 'قبول کرنے کے لیے اپنی رضامندی کا اعلان کیا ہے۔' اللہ اپنے آپ کے لیے کسی چیز کے محتاج نہیں اور وہ خود طاقتور ہونے کا اعلان کرتے ہیں، پھر بھی وہ ایسے غیر معمولی

---

[61] التغابن:17، الحدید:11، 18، البقرہ:254

[62] الحدید:18

معاہدے کی پیشکش کرتے ہیں: "کیا کوئی ہے جو اللہ کو قرض (قرض حسنہ) دینے کے لیے تیار ہو؟ اور اس میں واپسی کی شرائط اور عہد کا بھی ساتھ اعلان کیا جاتا ہے کہ " اللہ اسے کئی گنا زیادتی کے ساتھ واپس کریں گے۔"[63]

[63] الحدید:18

## 'جو میری مدد کرے گا میں اس کی مدد کروں گا' کا عہد

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم میری مدد کرو گے تو مجھ پر تمہاری مدد کرنا بھی فرض ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر تم میری مدد نہیں کرتے تو میرے پاس تمہاری مدد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔[64] یہاں اللہ کی مدد کرنے کا مطلب ظاہر ہے کہ اس کے پیغام کی تعمیل میں نیک اور صالح کام کرنا اور ان تمام باتوں کا احترام کرنا جو ایک مسلمان عہد کی معیاری شرائط کو قبول کرتے ہوئے تسلیم کرتا ہے۔ ایک مسلمان کی ذمے داریاں، جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے، اس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ، اس کی حاکمیت، وحدانیت اور طاقت کے دعووں کی حمایت اور تقویت سے ہے۔ ایک مسلمان اپنے قول، دعا یا عمل کے ذریعے اللہ کی راہ میں مدد کرتا ہے۔ جتنا زیادہ وہ ایسا کرتے ہیں، اتنا ہی زیادہ وہ اپنے تعمیل والے اعمال اور غیر اعمال کے لیے اللہ کے لیے باہمی ذمے داریاں پیدا کرتے ہیں۔

انشورنس معاہدے کرنے کی مثال لیتے ہیں۔ ہم ماہانہ یا سالانہ پریمیم ادا کر کے بیمہ کمپنی کی مدد کرنا شروع کرتے ہیں اور وہ، بدلے میں، واقعات کی وجہ سے ہونے والے کسی بھی نقصان کی تلافی کر کے 'ہماری مدد کرنے' کی ضمانت دیتے ہیں۔ یہاں، ضمانت اللہ کی طرف سے ہے۔ اور ہم جو کچھ وقفے وقفے سے اچھے اعمال کے پریمیم دیتے ہیں جن کا وہ قرآن میں ہم سے مطالبہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر مدد کے معاہدہ کی ذمہ داری کے طور پر، جب مسلمان مشکل میں ہوتا ہے تو اس کی مدد کرتے ہیں۔

---

[64] الحج: 40

## 'جو مجھے بھلائے گا میں اُسے بھلاؤں گا' کا عہد

قرآن اس عہد کو واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ کو بھول جاتا ہے، تو اللہ تعالی بھی قیامت کے دن اس کو بھول جائیں گے۔ اللہ نے اس چیز کو آسان الفاظ میں واضح کیا ہے: ' اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں، مگر تو نے انہیں بھلا دیا۔ اور آج اسی طرح تجھے بھلا دیا جائے گا[65]۔ اللہ کو بھول جانے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے پیغام کی ترسیل ہو رہی ہو مگر پھر بھی اس پر عمل نہ کر رہا ہو[66]۔ اللہ تعالی کو بھول جانے کی غلطی ہو سکتی ہے، مگر اس پر معافی مانگ لینی چاہیے۔[67] اللہ کو فراموش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنے سوچنے کے عمل میں یاد نہ لیا اور آخرت کے معاملات کی منصوبہ بندی اور حکمت عملی میں کوئی ترجیح نہ دیں۔

آپ امتحان پاس کر لیتے ہیں مگر ان کا شکر ادا کرنا بھول جاتے ہیں، یا آپ کو ہسپتال و بیماری سے رخصت مل جاتی ہے، آپ کے خون کی رپورٹ اچھی ہے، مگر آپ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ آپ ایک خوبصورت جگہ پر جاتے ہیں اور اللہ کی ذات کو یاد کرنا بھول جاتے ہیں۔ آپ دنیاوی کامیابی میں سبقت لے جاتے ہیں اور فرض کر لیتے ہیں کہ یہ صرف آپ کی محنت اور ذہانت کا نتیجہ ہے۔ یہ ان کو بھول جانے کی چند چھوٹی چھوٹی مثالیں ہیں جو ہو سکتا ہے کہ وہ در گزر کر دیں، لیکن اگر انہیں بھول جانے کا عمل بہت طویل ہو جائے، یہ تواتر سے ہو، یعنی کوئی ظلم کرتے ہوئے اس کا خوف یا اس کے احکام کا خیال تک دل میں نہ آئے تو پھر ہم اسے بدقسمتی سے بھولنا ہی کہیں گے۔

---

[65] طہ:125-127

[66] البقرہ:44

[67] البقرہ:286

یہ سنجیدہ معاملہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی کا پیغام یہ ہے کہ جب وہ آپ کو بھولنے کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر اس کے نتائج بھیانک ہو سکتے ہیں۔ پھر وہ قیامت کے دن ہمارے حق میں معافی یا رحم کے اپنے دائرہ اختیار کو استعمال کرنا 'بھول جائے گا' اور بلاشبہ آخرت میں کسی کو محض اس کے اچھے اور برے اعمال کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جانا ایک سنگین مسئلہ ہے۔

## "تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا" کا عہد

"تم مجھے بھول جاؤ گے تو میں تمہیں بھول جاؤں گا" کے عہد کی طرح اللہ تعالی کی طرف سے اسے یاد رکھنے والوں کے ساتھ بھی ایک عہد ہے، جس کے تحت وہ یاد کرنے والوں کو یاد کرنے کی ضمانت دیتے ہیں[68]۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے دل میں اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ بھی اسے خاموشی سے یاد کرتا ہے اور جو اللہ کے بارے میں کھلے عام یا دوستوں سے بات کرتا ہے یا اللہ کی تعریف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی فرشتوں کی موجودگی میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ عہد پہلے کے دو معاہدوں سے مشابہ لگتا ہے، لیکن قانونی نقطہ نظر سے اس کی الگ خصوصیات ہیں۔[69] لہذا ہم اس کو ایک الگ معاہدے کے طور پر لیں گے۔ "تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا" کے اس عہد میں 'تم میری مدد کرو، میں تمہاری مدد کروں گا' اور "تم مجھے بھول جاؤ گے، تو میں تمہیں بھول جاؤں گا" کے معاہدوں کی آپس میں ظاہری مماثلت تو موجود ہے، مگر بہر حال، یہ کسی حد تک چار معاہدوں (رسائی، بات چیت، دعا، اور معافی) سے مشابہت رکھتے ہیں، جو بظاہر تکرار لگتے ہیں، مگر حقیقت میں سب کی الگ الگ قانونی خصوصیات ہیں۔اس لیے ہم ان کو الگ الگ معاہدوں کے طور پر زیر بحث لائے ہیں۔

---

[68] البقرہ:152

[69] Zainub Habib, "Dhikr - Remembrance of Allah," Farhat Hashmi, n.d., https://www.farhathashmi.com/articles section/remembrance/dhikr-remembrance-of-allah/. Accessed at 26th December, 2023.

## اللہ کی محبت کے حقدار ہونے کا عہد

بعض مسلمانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے محبت کرنے کا ایک خاص عہد کرر کھا ہے اور ان کے لیے اس نے اپنی خاص پسندیدگی اور قدردانی کا اظہار کیا ہے۔ یہ جان کر اطمینان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے مساوی معیار بنایا ہے، کوئی بھی مسلمان خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا ناخواندہ، عام آدمی ہو یا خاص، جوان ہو یا بوڑھا، اچھا ہو یا برا، اس عہد کے اہل ہونے کے لیے وہ صرف چند اعمال کرے گا اور اللہ اپنے معاہدے کے تحت اس کو اپنی محبت کا حقدار ٹھہرا لیں گے۔

یہ کون لوگ ہیں جن سے اللہ تعالی محبت کرتے ہیں یا وہ کون ہیں جن سے محبت نہیں کرتے؟ اللہ فرماتے ہے، ''اچھائی کرو کیونکہ اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''[70] 'نیکی' ایک وسیع اصطلاح ہے جس میں متعدد عہدوں اور ذمہ داریوں کا احاطہ کیا گیا ہے جو ایک مسلمان کو انجام دینی چاہیئں۔ اللہ ان لوگوں سے بھی محبت کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔[71] اس میں بار بار توبہ کے ذریعے اللہ تک پہنچنا، اس کی ہدایت طلب کرنا، معافی مانگنا اور شکر گزار ہونا شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ ناشکری کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے،[72] اور جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں[73] اور اس کی ہدایت کو نظر انداز کرتے ہیں، اور جو بدکار ہیں،[74] اور خیانت کرنے والے ہیں[75]، یا اس کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔[76] یہ بہ ظاہر ایک سیدھا سا بیان ہے، لیکن اس کے وسیع مفاہیم ہیں۔ اگر کوئی آدمی حدود سے تجاوز نہ کرے، جیسے قرآن میں موجود تمام ہدایات پر مؤثر

---

[70] المائدہ:13,93، آل عمران:134، البقرہ:195

[71] البقرہ:222

[72] الحج:38

[73] آل عمران:32

[74] آل عمران:57,140

[75] النساء:107

[76] المائدہ:87، البقرہ:190

طریقے سے عمل کرنا، قرآن میں دی گئی حدود کی پابندی کرنا، اپنے ارد گرد کے لوگوں کے حقوق، ذاتی املاک کا خیال رکھنا اور رعبادات و شعائر سے متعلق وعدوں کا احترام کرنا وغیرہ، تو پھر وہ نیکی کرنے والوں میں شامل ہو گا۔ مسلمانوں کا ایک اور طبقہ جو اللہ کی خاص محبت پاتے ہیں، وہ ہوتے ہیں جو اپنے وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں اور 'ان کا خیال رکھتے ہیں[77]' اس کا مطلب یہ ہے کہ وعدوں کی انجام دہی پر اللہ کی نظر ہوتی ہے۔اس لیے ذہن نشین ہونا چاہیے کہ روزمرہ کے معاہدوں اور وعدوں کو اس شعوری احساس کے ساتھ طے کرنا چاہیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے۔ یوں سمجھیے ہر دنیاوی وعدہ نبھانے والے مسلمان کے ساتھ اللہ نے محبت کرنے کا بھی معاہدہ کرر کھا ہے۔

جب ہم کچھ کہتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرتے ہیں۔[78] لوگوں کی ایک اور قسم جسے وہ پسند کرتے ہیں، وہ لوگ ہیں جو ثابت قدم رہتے ہیں،[79] اور یہ ان مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جو آزمائشوں اور ترغیبات کے باوجود پر عزم اور ثابت قدم رہتے ہیں۔ وہ متعدد ذمہ داریوں اور فرائض کے سلسلے میں اللہ کے ساتھ عہد کے پابند ہیں جن پر انہوں نے ایمان لا کر (پیشکش کو قبول کرتے ہوئے) اتفاق کیا ہے۔ مسلمانوں کا ایک اور طبقہ جنہیں اللہ کی محبت حاصل کرنے والا قرار دیا جاتا ہے وہ ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔[80]

---

[77] آل عمران:76

[78] الصف:3

[79] آل عمران:146

[80] آل عمران:159

## پناہ دینے کا عہد

پناہ حاصل کرنے کا مقصد ایک فرد کے نیک اعمال اور ابلیس کے شیطانی کاموں کے درمیان حصار کی دیوار کو یقینی بنانا ہے۔ چونکہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے ایک عہد کیا تھا، جس میں اسے انسانوں کو اللہ اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں سے دور کرنے کے لیے وقت دیا گیا تھا، اس لیے وہ مختلف چالوں کے ذریعے انسانوں کو ورغلاتا ہے۔[81] اس کا مقابلہ کرنے کا واحد حل اللہ کے پاس جانا اور اس کی حفاظت اور دوبارہ پناہ مانگنا ہے یعنی ابلیس کے اللہ کے ساتھ معاہدے کا رد "جو ہے وہ مسلمان اور اللہ کے درمیان ایک نئے معاہدے کو قائم کرنا ہے۔

اسی لیے 'اعوذ بالله من الشيطان الرجيم' وہ فقرہ ہے، یا وہ نیا عہد ہے جو ابلیس کو دی گئی انسانوں کو بہکانے کی اجازت اور اس معاہدے کے برخلاف ایک نئی exeption قائم کرتا ہے۔[82] اللہ تعالیٰ کی پناہ کے بارے میں اچھی بات یہ ہے کہ جب یہ مانگی جائے تو اسے کبھی رد نہیں کیا جاتا[83]۔ لہٰذا، ابلیس کو جو آزادی بذریعہ معاہدہ حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے والے عہد کے ذریعے کم از کم عارضی طور پہ ختم کر دی جائے گی۔ قرآن مسلمانوں کے ساتھ ایک عہد کرتا ہے تاکہ انہیں ان کی زندگی کے دوران دائمی تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو بھی اپنی زندگی قرآن کی شقوں پر عمل کر کے گزارنی ہوگی۔ یہ تصور قرآن کی آخری دو مختصر لیکن بہت اہم سورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔[84]

---

[81] الاعراف:17

[82] حم السجدۃ:36

[83] حم السجدۃ:36

[84] سورت الفلق، سورت الناس

## انعام واکرام کا عہد

ہر ایک مسلمان جو نیک عمل کرے گا، اس کے ساتھ اور اس کے ہر نیک عمل کے کرتے ہی ایک انعام واکرام کا معاہدہ اس کے اس کے اور اللہ تعالی کے درمیان قائم ہو جاتا ہے۔ اس انعام کا عہد ہر نیکی کرنے والے کے ساتھ اللہ نے براہ راست کیا ہے۔ لہذا ہر مسلمان کو یعنی مجھے، آپ کو، یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی کی ذات گرامی خود انعام سے نوازیں گی۔

قرآن مسلمانوں اور ان کے اعمال صالحہ کے لیے اجر وثواب کا وعدہ اس کثرت سے کرتا ہے کہ قرآن میں مذکور اس ''عہد'' کا بیان لاتعداد مرتبہ ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو صرف اللہ پر یقین رکھنے کا اجر ملے گا۔[85] انعامات کا ایک مخصوص ذخیرہ اس کے لیے مختص ہے کہ ہم مسلمان زندگی بھر اس بات پر یقین رکھیں کہ اللہ ایک ہے اور اس کے تمام رسولوں میں سے کسی کو جھٹلایا نہیں جائے گا[86]۔ بے پناہ اجر[87] سے ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لانے کے ساتھ ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں اور صدقہ بھی کرتے ہیں۔ گویا ہر نمازی کے ساتھ ایک معاہدہ ہے۔ اسی طرح، اللہ ان لوگوں سے وعدہ کرتا ہے جو ایمان لائے اور نیک ہیں کہ انہیں بخشش کے علاوہ ایک عظیم انعام بھی دیا جائے گا[88]۔ ان انعامات کا بڑھتا ہوا ڈھیر جو بڑھتا ہی چلا جاتا ہے مسلمان کے نیکی کے ذخیرے میں اضافہ کرتا ہے۔ اللہ تعالی یقین دلا رہے ہیں کہ یہ تمام اضافے ضائع نہیں جائیں گے۔[89]

بندوں کا اللہ سے ڈرنا اللہ تعالی کو پسند ہے، اور اس نے خوف میں رہنے کی نفسیاتی حالت سے

---

[85] البقرہ:62

[86] النساء:152

[87] البقرہ:262

[88] الجمعۃ:4

[89] المائدہ:9

گزرنے کے عوض انعامات کے ایک الگ ذخیرے کا وعدہ کیا ہے[90]۔ انعام کم نہیں کیے جائیں گے[91]، اور کچھ کے لیے، ثواب لامحدود ہو گا[92]۔ لازوال باغات اور حوروں کے ساتھ ہمیشہ کا قیام ہی انعام ہے۔[93]

انعامات اتنے عظیم ہوں گے کہ جو انسانی تصور سے ماوراہیں۔ اللہ تعالی، پوری طرح سے، اپنے اور انسانی مخلوق کے درمیان بہت بڑی خلیج کو کو جانتے ہیں، مگر وہ طاقت کے مقابلے میں اپنی مخلوق کی کمزور پوزیشن کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتے[94]۔ رسول اللہ ﷺ نے بارہا اس بات کی تائید کی ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے کسی بھی عہد کی پاسداری کے مقابلے میں انعام کی وعدہ شدہ مقدار بہت زیادہ ہے۔[95]

بہ ظاہر یہ بات عام سی بات لگتی ہے کہ اللہ تعالی نیکوں پر انعام دیں گے مگر قانونی نقطہ نظر سے یہ انتہائی غیر معمولی معاملہ ہے۔ یعنی ہر ایک نیکی یا ہر اچھے عمل پر، اللہ کے ساتھ براہ راست معاہدہ؟ ایک دن میں دس نیک کاموں پر دس معاہدے اللہ کے ساتھ؟ یا بیس نیک کاموں پر بیس معاہدے براہ راست اللہ کے ساتھ؟ یقین نہیں آتا۔ مگر ہے ایسا ہی۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ یہ معاہدے اور غیر معمولی انعامات کے وعدوں کی کیا بڑی وجہ ہو سکتی ہے۔ وجہ بڑی سادہ ہے۔ ہر نیکی اللہ کی ہدایت کا اعتراف ہے، ہر نیک کام اس کے حکم کی اطاعت کی شہادت ہے۔ ہر اچھا عمل ابلیس کے ساتھ کیے گئے معاہدے میں اللہ کو سرخرو کر دیتا ہے۔ یعنی ہم میں ہر ایک کا نیک عمل اس معاہدے کے تحت ابلیس کی ہار بن جاتا ہے اور

---

[90] الکہف:30، یوسف:56، الاعراف:170

[91] النازعات:19، طہ:2-3، ابراہیم:14، الانفال:2

[92] الانشقاق:25

[93] التین:6

[94] البینۃ:8

[95] صحیح مسلم، رقم الحدیث:79

اللہ تعالی کے ازلی موقف، یعنی اشرف المخلوقات کی جیت ہو جاتی ہے۔اسی لیے لگتا ہے کہ ہر نیکی اللہ تعالی کو بے انتہا پسند آتی ہے اور اسی لیے وہ ہر نیکی کرنے والے سے براہ راست عہد کرتے ہیں اور اس قدر زیادہ انعامات کا وعدہ کرتے ہیں جو کسی بھی چھوٹے سے عمل سے مطابقت نہیں رکھتے۔

## سزا کا عہد

اللہ کے پاس ان لوگوں کو انعام دینے کا عہد ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآنی ہدایات اور معاہدات کی شقوں پر عمل کرتے ہیں، اس کے برعکس، اس کی طرف ان لوگوں کو سزا دینے کا بھی عہد ہے جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ سزا کا یہ عہد ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو مسلمان ہونے کے باوجود قرآن کی ہدایات پر عمل نہیں کرتے (ایک ایسی کتاب جسے وہ سچا مانتے ہیں)۔ ایک اہم نکتہ غور طلب ہے کہ سزا کا یہ عہد تنبیہات اور امکانات کے بغیر قائم نہیں ہوتا، یعنی ہر انسان کو اس دنیا میں اپنے اعمال پر غور و فکر کرنے اور ان کی اصلاح کرنے کا موقع دیا جاتا ہے، اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔اس کو ہم موجودہ قانونی تشریح میں due process کا تقاضا بھی کہتے ہیں۔ ایک بار جب کوئی شخص مر جاتا ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ اسے اپنے اعمال کی درستی کرنے کے لیے دیا گیا وقت ختم ہو گیا ہے۔ پھر، سزا کا یہ عہد نافذ ہو جاتا ہے۔

سزاؤں میں تکلیف اور درد کے مختلف درجے ہوں گے۔ ہمیں سزاؤں کی مختلف شکلوں کے کچھ اشارے قرآن کی زبان سے ملتے ہیں۔ مختلف خطاؤں کی سزا مختلف ہو گی اور اس کی شدت بھی گناہ کے اعتبار سے مختلف ہو گی۔

کچھ جگہوں پر گناہ گار کو 'شرمناک سزا،[96] کچھ جگہوں پر 'ذلت آمیز سزا،[97] یا 'ایک خوفناک سزا[98] کا ذکر آتا ہے۔ ایک اور آیت میں، اسے 'ایک دردناک سزا[99] کے طور پر دوبارہ بیان کیا گیا ہے، دوسری جگہ دوہرے عذاب کا ذکر ہے۔[100] سزاؤں کی شدت کو سمجھنے کے لیے ہمیں

---

[96] حم السجدۃ:16

[97] الزمر:26

[98] القمر:30، الفاطر:26

[99] النساء:102

[100] الفرقان:69، الاعراف:38

یاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالی اور ابلیس کے معاہدے کے تحت ابلیس نے اپنے وسوسوں سے انسان یا مسلمان کو بہکانا ہے۔ لہذا ہر برائی در حقیقت اپنی ہیئت سے زیادہ ابلیس کی جیت کی علامت بن جاتی ہے۔ ظاہر ہے یہ چیز اللہ تعالی کو نہیں پسند آتی کہ اس کی مخلوق جسے اس نے آزادی رائے دی، عقل دی اور اس تک اپنا پیغام پہنچایا، وہ اس کے باوجود اچھائی اور برائی نہ کر پائی۔ لہذا سزا اور سخت سزا محض اس بے وقوف کے گناہ، غلطی یا برائی کی ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالی کی عزت میں کمی کرنے کی وجہ سے بھی ہے۔

ایک اور نقطہ جو قابل غور ہے اور لوگ سوچ سکتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے کو جہنم، سزاؤں اور دیگر دردناک علاج کے بارے میں اتنی تفصیل سے خوف زدہ کیوں کرتا ہے۔ یہ صحیح طریقہ کار اور حتیٰ کہ جدید فقہ کا ایک معروف اصول ہے کہ جرم کی سزا کا اعلان اس کے ارتکاب سے پہلے ہی کر دیا جانا چاہیے۔ یعنی مشتری ہشیار باش۔ اس کے لیے قرآن میں سزاؤں کا پیشگی انکشاف کرنا پڑا۔ قرآن مختلف نوعیت کی غلطیوں یا جرائم کی نشاندہی بارہا کرتا ہے اور پھر ان کی متعلقہ سزا کا کو بیان کرتا ہے۔ سزا، اس کی نوعیت اور پیمانے، اور اس کی شکلیں پوری طرح ظاہر کرنا قانونی مجبوری ہے۔ اس تقاضے کو سامنے رکھ کر بڑی آسانی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کیوں اللہ تعالی نے دوزخ اور روز محشر کے طویل تفاصیل اور خوفناک منظر کشی کی ہے، یہاں تک کہ قرآن کے آخری حصے میں کم از کم بیس سورتیں صرف روز حساب، دوزخ اور سزاؤں کی دہلا دینے والی تفصیلات پر مبنی ہیں۔

## مشکل کے بعد آسانی کا عہد

ایک اور عہد جو اللہ نے ہر مسلمان کے ساتھ، بشمول میرے اور آپ کے، کیا ہے وہ زندگی میں مدو جزر کا ہے، یا زندگی کے کسی مرحلے پر آپ کو کوئی مشکل اور آزمائش لانے کا ہے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ارد گرد لوگ اچھے بھلے ہوتے ہیں اور یک لخت کسی ناگہانی آفت یا مشکل میں آپڑتے ہیں۔ کسی کو یکدم کوئی حادثہ ہو گیا، کسی کی نوکری چلی گئی، کسی کا عزیز فوت ہو گیا، پیسوں کا بحران آپہنچا، بیماری آگئی، وغیرہ وغیرہ۔ مشکل وقت کا آنا اس کے معاہدے کی شق کا ظہور ہے۔ اس مشکل وقت کو گزارنا اللہ کی یاد کے توسط سے ایک بہتر عمل ہے۔ کیا معلوم یہی یاد آپ کو ایک اور نہج سے اللہ کے بے انتہا قریب کر دے۔

قرآن حیرت کا اظہار کرتا ہے کہ لوگ ایسا کیوں سوچتے ہیں کہ وہ صرف یہ کہہ کر چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ ایمان لائے ہیں یا عہد کلمہ کو قبول کرتے ہیں، جب کہ قرآن پر ان کے ایمان کی آزمائش مشکل وقت میں ہوتی ہے۔ ہر مسلمان اپنی زندگی میں ایک خاص مشکل دور سے گزرتا ہے۔ اس سے ان کے ایمان اور اللہ پر یقین کا امتحان لیا جائے گا۔ یہ امتحان مشکل خوف، بھوک، املاک کا نقصان، جانی نقصان وغیرہ کی شکل میں ہو سکتا ہے۔[101] اس سے ہر مسلمان کو گزرنا پڑتا ہے۔ تاہم، اگر کوئی شخص اس مشکل مرحلے کو ثابت قدمی کے ساتھ گزارتا ہے اور اسے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کی تجدید کے طور پر استعمال کرتا ہے، تو یہی چیز، اسے آسانی کی طرف لے کر جائے گی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو صحیح ہدایت یافتہ کہا جاتا ہے۔[102] ایسے لوگوں کے لیے انعام اور آسانی کا وعدہ کیا گیا ہے۔[103]

---

[101] العنکبوت:2

[102] البقرہ:155

[103] البقرہ:155-157

اللہ تعالٰی نے ایک جگہ بیان کیا ہے: وہ ان لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرے گا جو مشکلات سے گزر رہے ہیں۔ یہ تصور قرآن میں دو مختلف مقامات پر بیان ہوا ہے۔ ایک میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مسلمان کو مشکل وقت سے گزرنے کے بعد سکون دیں گے۔[104] پھر، اور آیت[105] میں یقین دہانی کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مشکل کے بعد آسانی آئے گی۔ جب مسلسل دو آیات میں ایک حکم بتایا جائے تو اس کی اہمیت دوگنی ہو جاتی ہے۔[106]

جب مشکل ایام آتے ہیں، تو وہ ہفتوں یا مہینوں تک رہ سکتے ہیں۔ اس بات کا کوئی قطعی اصول نہیں ہے کہ وہ کب تک رہیں گے۔ اگر مالیاتی بحران شروع ہو گیا ہے تو، اس سے نکلنے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی مشکل وقت برسوں تک رہا۔ انہیں طائف کے دورے کے وقت مارا گیا، مکہ میں ظلم ہوا، اور سالوں کے ظلم و ستم کو برداشت کرنے کے بعد خاموشی سے مدینہ سے نکلنا پڑا۔ بنی اسرائیل کو مصر میں ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بھی برسوں تک جاری رہا کیونکہ ان کے لڑکوں کو قتل کیا گیا اور یہ تعداد سینکڑوں میں ہو گی۔ ایک اور رسول حضرت یوسف علیہ السلام کو کئی سال جیل میں رہنا پڑا۔ ایک اور نبی، موسیٰ (علیہ السلام) کو کئی سالوں تک بیابان میں رہنا پڑا۔[107] مسلمان کے کمزور ہونے کے بعد اہل ایمان کے علاقوں میں کافروں کی ایک نسل پروان چڑھی۔[108] بے شک اللہ تعالی کسی کو بھی بہت پہلے راحت فراہم کر سکتے ہیں، لیکن قرآنی نظیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آسانی کے وقت کے آنے کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

---

[104] البقرہ:157

[105] الطلاق:7

[106] الم نشرح:5-6

[107] الم نشرح:5-6

[108] طہٰ:40

مشکل وقت میں صبر کے ساتھ ساتھ نماز کو زیادہ توجہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے، نماز کے ہر لفظ پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے، اور اس کا تعلق اس مسئلے سے جوڑنا چاہیے[109]۔ جب چلنا مشکل ہو جائے، مشکل کا بوجھ اٹھانا مشکل ہو جائے، تب بھی تسلی رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے ساتھ رہنے کا وعدہ کرتا ہے۔[110] دنیا اور آخرت میں انعامات سے پہلے کسی نہ کسی قسم کی تکالیف اللہ کی مختلف قوموں کے ساتھ ہمیشہ رہی ہے[111]۔ تاہم، کچھ اقوام، آسانی ملنے کے بعد، اللہ کے خلاف کھڑی ہو گئیں۔[112]

---

[109] مریم:59

[110] البقرہ:152

[111] البقرہ:152

[112] البقرہ:214

## صبر کرنے والے مرد اور عورت کے ساتھ عہد

قرآن میں ہر غصے والے مرد اور عورت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تحریری ضمانت بھی موجود ہے کہ اگر وہ صبر و تحمل سے کام لیں اور اپنے غصے پر قابو پا لیں تو یہ اجر دیگر نیکیوں کے معمول کے منافع سے کہیں زیادہ ہو جائے گا[113]۔ یاد رہے کہ اللہ تعالی نقصان کے تناسب سے بدلہ لینے کی اجازت دیتے ہیں[114]۔ مگر ساتھ قرآن کہتا ہے کہ تحمل ایک ایسی عظمت اور احسان کا عمل ہے جسے صرف اللہ ہی بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے کہ انسانوں کو اپنے رد عمل کے لیے مجبور کرنے والے احساس کو دبانے کے لیے ان پر کس سطح کے صبر کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے، اس نے تمام غصے اور طیش میں آنے والے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ایک عہد کیا ہے کہ اگر وہ اپنے غصے کو ایک طرف رکھیں اور ضبط سے کام لیں تو وہ موجودہ دنیا اور اس کے بعد کی زندگی میں خصوصی انعامات کے مستحق ہوں گے۔[115]

اگر تحمل سے کام لینے کے ساتھ ساتھ غصہ، چوٹ یا تکلیف پہنچانے والے کو بھی معاف کر دیا جائے، چاہے وہ جسمانی ہو یا جذباتی، تو ایسا کرنا خود اللہ کا طریقہ ہے، اور وہ اسے پسند کرتا ہے[116]۔ کیونکہ معافی کے عمل کے ذریعے ذمہ داری کا بوجھ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ کے لیے احسن بن جاتا ہے، اور اس نے معافی کے عمل پر بہت زیادہ اجر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ معاف کرنا اللہ کے عمل کی پیروی کے مترادف ہے، کیونکہ یہ قرآن میں اللہ کی طرف سے سب سے زیادہ انعام کے قابل اعمال میں سے ایک ہے۔

لوگ اکثر اس وقت بھی غصہ محسوس کرتے ہیں جب انہیں جائز پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

---

[113] الشوری:36-37، الزمر:10

[114] الشوری:40-39، الحج:60، النحل:126

[115] الزمر:10

[116] الشوری:43، النحل:126

مثال کے طور پر، جب کسی ٹریفک وارڈن نے روکا، قانونی ٹیکس ادا کرنے کو کہا گیا، یا گھر کی تعمیر کے دوران شہری قوانین کے تحت کچھ پابندیوں پر عمل کرنے کو کہا گیا۔ ہماری آزادیِ عمل پر رکھی گئی ایسی پابندیاں، ذرا بوجھل ہیں، لیکن ان میں یقینی طور پر کچھ بڑی بھلائیاں شامل ہیں۔ ایسے مواقع پر بھی اپنے آپ کو پر سکون رکھنا اور اپنا غصہ گھر والوں پر یا دفتر کے ماتحتوں پر نکالنا درست نہیں۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں عائد اس طرح کی جائز پابندیوں کے مقابلہ میں تحمل یا صبر کا مظاہرہ کرنا یقیناً فائدہ مند ہوگا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ صبر اپنے وسیع معنوں میں ہمارے لیے نصیحت بھی ہے کہ ہم اپنے اصولی موقف پر ثابت قدم رہیں، کیونکہ ہر اصولی موقف کی ایک قیمت چکانی پڑتی ہے اور اکثر لوگ اس موقف سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح صبر ان معنوں میں بھی آتا ہے کہ اگر ہم نے کوئی معاہدے کیے ہیں اور ان میں بادی النظر میں ہمیں کوئی نقصان ہوتا ہوا بھی نظر آرہا ہے تو بھی ہمیں اس کی عمل درآمد پر استحکام صبر کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے۔ یہی صورتحال زبانی معاہدوں اور وعدوں کی بھی ہے۔ ہر وعدہ، ہر معاہدہ دنیاوی طور پر آپ کو فائدے کے ساتھ کچھ دقتوں میں بھی مبتلا کرتا ہے۔ کچھ لینے کے لیے کچھ دینا پڑتا ہے۔ سو جو کچھ کسی کے ساتھ ہم عہد باندھتے ہیں تو اسے پورا کرنا پوری نیک نیتی سے ہی صبر کا ہی ایک پہلو لیا جائے گا۔

## شوہر اور بیوی کے درمیان عہد

انسانوں کے درمیان اہم ترین معاہدوں میں سے ایک شوہر اور بیوی کے درمیان شادی کا معاہدہ ہے، جس معاہدے کی جزئیات پر کافی تفصیلی طور پر اللہ تعالی براہ راست بتاتے ہیں اور قرآن میں خاصی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے[117]۔ شادی کے ذریعے تولید کو جائز بنانے کے علاوہ، اس کے متعدد سماجی اور معاشی فوائد ہیں۔ اگر یہ عہد اچھی طرح چلتا ہے تو اس کا بچوں اور آگے کی نسل پر مثبت اثر پڑتا ہے۔ موجودہ نفسیاتی اور سماجی علوم بتاتے ہیں کہ رشتے میں کوئی بھی دراڑ، آنے والی نسل پر منفی اثر ڈالتی ہے[118]۔ قرآن تجویز کرتا ہے کہ رشتے میں شوہر اور بیوی دونوں کو فراخ دلی، وفادار، راست باز، صابر، خیراتی، ہونا چاہیے، وہ روزے رکھیں اور غیر ازدواجی تعلقات سے پرہیز کریں۔[119]

اللہ چاہتا ہے کہ ایک بار جب دونوں فریقین عقد یا معاہدہ کرلیں تو اسے قائم رہنا چاہیے۔ اگر کوئی مسئلہ بن جائے تو رشتہ داروں، دوستوں اور دیگر فریقین سے کہا جاتا ہے کہ وہ اس مسئلے کو حل کرنے میں کردار ادا کریں۔[120]

عقد کے معاہدے کے خاتمے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے کیونکہ اس طرح کے معاہدے کے ختم ہونے کی صورت میں سماجی نقصان بڑھ سکتا ہے۔ مزید برآں، میاں اور بیوی دونوں، اس میں یکساں صلاحیت رکھتے ہیں کہ وہ اپنی عادات واطوار کو ٹھیک کرسکیں، ان میں ترمیم اور اصلاح کرسکیں۔

---

[117] الروم:21، النحل:72

[118] 6 Anderson, Jane. "The impact of family structure on the health of children: Effects of divorce." The Linacre Quarterly 81:4 (2014): 378-387

[119] الاحزاب:36

[120] النساء:34

سوچ میں تنوع اور تبدیلیاں انسانوں کی خصوصیت ہے، اور وہ زندگی بھر اپنے خیالات اور نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اگر دو افراد نے نکاح کا معاہدہ کیا ہے اور بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں زیادہ مطابقت نہیں ہے، تو اس کا علاج یہ ہے کہ آپس میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، باہمی لچک کا مظاہرہ کیا جائے اور معاہدہ کو اپنے فطری طریقے سے چلنے دیا جائے۔ تاہم، اگر رشتہ ناقابل مصالحت ہو گیا ہے تو پھر باعزت علیحدگی کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

## دنیاوی علم حاصل کرنے کا عہد

اللہ تعالی وعدہ کرتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کو اپنی ذات اور اور اپنی قدرت سے حیران وخیرہ کرنے کا موقع اور اطمینان بخشیں گے جو علم حاصل کرنے والے ہیں،[121] اور علم کے کسی بھی شعبے میں سبقت لے جاتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کا 'خوف' تلاش کرتے ہیں وہ اصل میں علم حاصل کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ خوف سے مراد ایک حالتِ وارفتگی ہے جو انسان باعلم ہونے کے بعد پالیتا ہے۔ علماء کا کہنا ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک صحیح مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ عالم، خواندہ یا تعلیم یافتہ نہ ہو کیونکہ قرآن اس وقت تک اپنا پیغام منکشف نہیں کرتا جب تک کہ قاری علم کا متلاشی نہ ہو۔[122] پھر جو علم حاصل کیا جاتا ہے، اسے استعمال کیا جانا چاہئے؛ کیونکہ صرف پڑھنا کافی نہیں ہے۔ تعجب کی بات نہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہے۔" "جو شخص علم کی تلاش میں گھر سے نکلتا ہے وہ جنت کی راہ پر چلتا ہے"۔[123] ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کی ایک آیت کی گہرائی اور وسعت پر غور کرنا تمہارے لیے سو رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور باہر نکل کر علم سیکھنا، خواہ اس پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے، آپ کے لیے ایک ہزار رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔[124]

خدا کے کلام کے عملی مظاہر، خدا کے کام ہیں۔ ان پر غور کیا جانا چاہیے اور ان کی تعریف کی جانی چاہیے[125] اور ان کو سمجھنا چاہے۔ زندگی کو تخلیق کرنے اور برقرار رکھنے والی مختلف قدرتی

---

[121] الفاطر: 28

[122] خطبات مولانا مودودی، 35-32

[123] Syed Ameer Ali, The Spirit of Islam: A History of the Evolution and Ideals of Islam with a Life of the Prophet (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2012). pp. 361.

[124] سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 219

[125] الرعد: 3، آل عمران: 191

قوتوں پر جتنا غور کیا جاتا ہے یا ان کا علم حاصل کیا جاتا ہے، اتنا زیادہ انسان 'خدا کے کلام' پر یقین کرنے لگتا ہے۔[126] ہمیں سیاحت کرنی چاہیے اور خدا کے کام کو دیکھنا چاہیے۔[127]

ہم کسی مصنف یا فنکار جیسے کسی تخلیق کار کو خوش کیسے کرتے ہیں؟ یقیناً ان کے لکھے ہوئے کام کو پڑھ کر اور سمجھ کر یا ان کے فن کا مطالعہ کر کے اس کی بنیاد پر اپنی رائے دے کر۔ جب کوئی تخلیق کار کے فن پارے کی تعریف کرتا ہے، تو اس کا دل خوشامد کی بجائے دلیل اور منطق سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اللہ دنیا کا ماہر معمار اور مصور ہے، اور اس کے ماننے والے اس کی خوشنودی اور توجہ حاصل کریں گے اگر وہ اس کے کام پر غور کریں اور منطقی اور سائنسی طور پر اس کی تعریف کریں۔ اللہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ جہاں ان کی تعریف تسبیح ذکر اور ذکر کے تکرار سے ہو وہاں کوئی باعلم مسلمان اللہ کے کام پر سائنسی، جغرافیائی اور دوسرے علمی بنیادوں پر تجزیہ کر کے لطف لے، خوش ہو اور اللہ نے جو اپنے راز بلیک ھول سے لے کر God Particle تک چھپا رکھے ہیں ان کو ڈھونڈ کر داد دے، اس مہارت کی جو صرف اور صرف اللہ ہی ذات کو حاصل ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دنیاوی علوم میں سبقت اس دور جدید میں غلبہ حاصل کرنے کا بنیادی جزو ہے۔ 1945 میں بین الاقوامی قانون تبدیل ہو گیا اور دنیا بھر کے ممالک نے یہ مان لیا کہ قبضے کے ذریعے کسی ملک، خطے کے مالکانہ حقوق نہیں حاصل کیے جا سکتے، اورر جس طرح طارق بن زیاد، محمد بن قاسم اور عقبہ بن نافع یا سکندر اعظم اور چنگیز خان قبضے کے ذریعے غلبہ حاصل کرتے تھے، وہ 1945 کے بعد ممکن ہی نہیں رہا۔ لہذا اب قبضے کا واحد طریقہ بین الاقوامی معاہدوں کو سمجھ کر اس میں اقتصادی فائدے اٹھانا ہے۔ اور یہ اسی وقت ہو گا جب

---

[126] الحج:3، آل عمران:190

[127] العنکبوت:20

مسلمان علمی طور پر آگے بڑھیں گے۔ سیٹلائٹ کے معاہدے، سمندری حقوق کے معاہدے، معدنی ذخائر پر کمپنی کے ذریعے حقوق لینا، یہ سب علم کے مختلف شعبوں پر آگے بڑھے بغیر ناممکن ہے۔ عہد حاضر میں ہم دیکھتے ہیں کہ چین نے ایک بین الاقوامی معاہدے WTO کو 1993 میں پڑھ کے اپنی تمام اقتصادی پالیسی اس کے ہم آہنگ کر دی اور آج چین کے بنے ہوئے مال کی رسائی کو دنیا میں کوئی قانونی رکاوٹ نہیں ہے۔

سب سے بڑھ کر، ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ حضور پاک ﷺ جو خود ایک بین الاقوامی قانون دان تھے انہوں نے معاہدوں کے علوم پر دسترس حاصل کر کے ایسے معاہدے کیے جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہوا۔

## دنیاوی سبقت کا عہد

آخرت کے امتحان کا نصاب ہر مسلمان کا دنیاوی کردار ہے۔ لہذا یہ کردار بڑھ چڑھ کر ادا کرنا ہے۔ ہر انسان، بالخصوص مسلمان کو زندگی کے شعبوں میں غلبہ اور سبقت حاصل کرنی چاہیے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیاوی فضیلت انسانوں کے لیے اللہ کی بہترین مخلوق ہونے کا ایک اہم ثبوت ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو زمین پر اللہ کا نائب قرار دیا گیا ہے[128]۔ جب کسی دنیاوی کردار یا نظم و ضبط میں سبقت حاصل کرنے کا خواہش مند شخص اس نیت کے ساتھ ایسا کرتا ہے کہ وہ اللہ کے اس دعوے کو مزید تقویت دے گا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، تو ایسی نیت پر اور ایسی جستجو پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت زیادہ اجر ملے گا۔ کیونکہ اس سے اللہ کے دعوے کا احترام بڑھ جاتا ہے اور یوں سبقت کے حصول کی 'ذمہ داری' ایک عہد بن جاتی ہے۔

تمام دنیاوی کرداروں میں سبقت حاصل کرنا آسان نہیں ہے، اور ہمیں کئی پہلوؤں پر سوچ بچار کے بعد پر اپنے کردار کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ، بلاشبہ، کئی معیارات کے اعتبار سے ایک کامیاب دنیادار انسان تھے۔ وہ کاروباری نقطہ نظر سے کامیابی کا نمونہ تھے۔ بطور تاجر ان کی معیاری کارکردگی نے انہیں قبائلی تاجروں کا پسندیدہ تجارتی ساتھی بنا دیا۔ ایک جنگجو، ایک سیاستدان اور ایک مفکر کے طور پر ان کی دنیاوی فضیلت نے بعد میں ان کے پیروکاروں کو بڑھانے میں بھی مدد کی۔ قرآن میں جتنے بھی انبیاء کا ذکر ہے وہ اپنے اپنے دور کے کامیاب کمیونٹی لیڈر تھے۔ کچھ تو بادشاہ بھی تھے، اور سب نے تجارت کے شعبوں میں سبقت لے کر قیادت کا درجہ یا ایک مضبوط غالب انتظامی کردار حاصل کر لیا تھا۔ ہمیں کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں اور ہمیں آخرت کے ساتھ ساتھ، دنیاوی فضیلت حاصل کرنے

---

[128] النحل:62

کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

دنیاوی معاملات میں مشغولیت اور آخرت کی زندگی پر نظر رکھنے کے درمیان جس توازن کی ضرورت ہوتی ہے وہ مومن کے لیے آسان نہیں ہے۔ ایک طرف، ان کی فضیلت دنیاوی کامیابی حاصل کرنے میں ہے، وہیں انہیں روحانی لگاؤ حاصل کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اگرچہ دنیاوی معاملات کو پوری دلجمعی سے حل کرنے کی ضرورت ہے، مگر اللہ تعالی یہ بھی کہتے ہیں کہ جو لوگ صرف انہی کو ترجیح دیتے ہیں وہ شان و شوکت اور دکھاوے کے طرز زندگی میں مصروف ہو جاتے ہیں[129]۔ ان لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیے جو صرف دنیاوی معاملات میں مشغول ہیں۔[130] قرآن مسلمانوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں برتری کے حصول کی دعا کرنے کی ترغیب دیتا ہے[131]، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مومن کو اپنا خلیفہ کہتا ہے۔ زندگی میں دوہری ذمہ داری کے ساتھ چلتے ہوئے اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھنا فضیلت ہے۔

ایک کہاوت ہے کہ 'بحری جہاز بندرگاہ پر محفوظ ترین رہتے ہیں، لیکن بحری جہاز اس لیے نہیں بنائے جاتے۔ کھلے سمندروں کی طرف سفر، کٹے ہوئے پانیوں کا مقابلہ کرنا، لہروں اور طوفانوں کے گرد گھومنا پھرنا، اور علم اور انسانی کامیابیوں کی نئی دنیا دریافت کرنا، ان کا اصل مقصود ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان دنیاوی طور پہ کچھ نہ کرکے کچھ ہاتھ پاؤں مارے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے اور مسلسل عبادت کر سکتا ہے۔ مگر کیا یہی مقصود ہے اسے اشرف بنانے کا، نائب بنانے کا؟ خلیفہ بنانے کا؟ نہیں۔ اللہ تعالی چاہتے ہیں کہ اس کی بنائی ہوئی ذہین ترین مخلوق دنیا میں آگے بڑھے۔ کوئی شعبہ اپنانے، کسی علم پر عبور حاصل کرے اور دنیا کے چیلنجز میں

---

[129] المجادلۃ:20، لقمان:18

[130] الکہف:28

[131] البقرہ:201-200

اپنے لیے راستہ بنائے، مشکلات کا سامنا کرے مردانہ وار انہیں زیر کرے۔ یعنی سبقت، برتری، انتظامی غلبہ، کاروبار میں کامیابی، یہ سب ایک مسلمان سے توقعات ہیں۔ جب وہ بھی اسی نیت سے یہ کرے کہ اللہ تعالی کی بہترین مخلوق ہونے کا حق ادا کر رہا ہے، تو پھر وہ بھی اپنے آپ کو اللہ کے انعامات کا حقدار بنالیتا ہے۔

## کاروباری افراد کے ساتھ معاہدہ

ہم نے اوپر بحث کی ہے، کہ انسانوں پر فرد کے طور پر سبقت حاصل کرنے اور اپنے کیریئر میں ترقی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، خاص طور پر مسلمانوں پر۔ اب ہم ایسے قرآنی معاہدوں پر بات کرتے ہیں جو ان مسلمانوں پر ایک ذمہ داری عائد کرتے ہیں جو کسی بھی فریق چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، کے ساتھ کوئی بھی کاروبار کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن کے توسط سے کاروباری افراد اگر اللہ کے ساتھ ان معاہدوں کو نافذ کریں گے تو کاروباری افراد کو فائدہ ہوتا ہے اور مجموعی طور پر گروپ یا کمیونٹی کی معاشی بہبود میں بہتری آتی ہے۔ اگرچہ یہ معاہدات مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں، لیکن ان کو غیر مسلم بھی کاروبار کے لیے 'منصفانہ معیار' کے طور پر اپنا سکتے ہیں اور تجارت کے لیے 'اخلاقی ضابطہ' قرار دے سکتے ہیں۔

قرآن مسلمان کو سب سے پہلے خوشحالی تلاش کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ یعنی فضل (رزق) کی تلاش کا حکم دیتا ہے۔[132] اس کا مطلب ہے اقتصادی مواقع تلاش کرنا، نئے خیالات اور مصنوعات کو متعارف کرانا، اور سمندروں کو اعلیٰ قیمتی سامان کی نقل و حمل کے ذریعہ کے طور پر استعمال کرنا، سب ضروری ہے۔ اس کے علاوہ، قرآن کہتا ہے، "اس عہد کا احترام کریں جس میں آپ داخل ہوتے ہیں۔"[133] اس میں معمول کے تجارتی معاہدے اور وعدے شامل ہوں گے جو زبانی یا تحریری طور پر کیے گئے ہوں، چاہے رسمی طور پر یا غیر رسمی طور پر (جیسے ای میلز یا واٹس ایپ کے ذریعے)۔ قرآن یہ بھی ہدایت دیتا ہے کہ مومن کو کاروباری معیارات پر عمل کرنا چاہیے اور صنعت کے مروج طریقوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔[134] لہذا اللہ کا معاہدہ ہر مسلمان بزنس مین کے ساتھ براہ راست ہے کہ اسے اپنے بزنس میں رائج معیار یا سٹینڈرڈز کے

---

[132] الجاثیۃ:12

[133] النحل:91-92

[134] الرحمان:9، الشعراء:181، بنی اسرائیل:35

عین مطابق اپنا بزنس یا کاروبار چلانا ہے۔ یعنی اگر وہ کنٹریکٹر ہے تو اس کے ملک کی انجینئرنگ کونسل نے عمارات کی تعمیر کے جو معیار لکھ رکھے ہیں ان کے عین مطابق اسے عمارت بنانی ہے۔ اسی طرح اگر وہ خورد ونوش کی کوئی چیزیں جیسے گھی، آٹا، مصالحہ جات، جوُ وغیرہ بنانے یا پیکنگ کی فیکٹری لگاتا ہے تو اسے ملک کے اندر کوالٹی سٹینڈرڈ ادارے کے اقرر کردہ معیار کے عین مطابق ان اشیاء کو بنانا ہے۔ اگر مسلمان کاروباری شخص کا ہسپتال ہے تو اسے انہی ڈاکٹروں کو، نرسوں کو ملازم رکھنا چاہیے جو اس کے ملک کے میڈیکل کے ریگولیٹ کرنے والے اداروں میں طے کیے گئے معیار پر لائسنس شدہ ہیں۔ اگر کوئی مسلمان کھانے کے کاروبار، ہوٹل، ریسٹورانٹ چلاتا ہے تو اس سے اللہ کا براہ راست معاہدہ ہے کہ وہ فوڈ اتھارٹی بمع فوڈ ایکٹ اور سینیٹری قوانین کے عین مطابق اپنے کاروبار کو چلائے۔ بعینہ اسی طرح اگر مسلمان کاروباری کے کپڑے کی فیکٹری ہے تو جو بھی وہ خریدار سے پرچیز آرڈر وصول کرے، اس کے کپڑے کو معیار کے عین مطابق بنانا لازمی ہے۔

لوگ اکثر محبت میں اللہ کو اپنے کاروبار میں پارٹنر فرض کر لیتے ہیں اور ایک حصہ یا کچھ فیصد کمائی اس کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ باندھ لیتے ہیں۔ نیت اپنی جگہ مگر یہ یاد رہے کہ اللہ آپ کا ہر معاملے میں ہی پارٹنر ہے اور ہر دنیاوی عہد میں وہ فریق ہے۔ اور اگر ہم اس سارے عہد اپنے تیسرے فریق کو ذہن میں رکھتے ہوئے پورے کر لیں تو نہ صرف اللہ کی پاٹنرشپ بلکہ اس کی مکمل مدد، رضا اور تائید حاصل ہونا یقینی ہے۔

ہر کاروباری شخص کو دوسرے کی امداد کی تاکید ہے۔ کسی نوجوان کے کاوباری اسٹارٹ اپ (Startup) میں سرمایہ کاری کے لیے مالی معاونت بھی اہم ہے۔ ایک پر عزم بیوہ یا کچھ مستحق نوجوان افراد کے لیے، کسی کاروبار کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے[135]۔ قرآن اس شخص

[135] نعیم بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رزق کا نواں حصہ تجارت سے حاصل ہوتا ہے۔

کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو کسی پروجیکٹ یا کسی نئے آئیڈیا پر 'محنت' کر رہا ہے یا کاروبار کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اللہ اس کی کوششوں کو اجر میں بدل دیتا ہے۔ جو فرد معاشی سرگرمیوں اور دنیاوی ترقی کے منصوبے میں محنت کرتا ہے وہ ''اللہ کا دوست'' ہے۔[136]

تخریج الاحیاء، رقم الحدیث:1588
136 صحیح بخاری، رقم الحدیث:25

# رسول کی پیروی کا عہد

قرآن مسلمانوں سے عہد لیتا ہے کہ وہ محمد ﷺ کی پیروی کریں گے انہیں اجر ملے گا اور انہیں کامیاب قرار دیا جائے گا۔[137] اس کا حکم نہ ماننا قرآنی معاہدے کی ایک اہم شق یا شرط کو توڑنے کے مترادف ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ صرف قرآن نازل ہوا، بلکہ انہوں نے اپنی زندگی میں اس کا نفاذ بھی کیا اور اللہ کے کلام کے زندہ مفسر بن گئے۔ اہل ایمان کی طرف سے تمام انبیاء مکمل احترام کے حقدار ہیں۔ ہر نبی کے پاس کچھ امتیازی خصوصیات تھیں جو دوسروں کے پاس نہیں تھیں۔ تاہم، پیغمبر محمد ﷺ کے معاملے میں، قرآن لوگوں کو ان کی اور اللہ کی پیروی کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ یہ بارہا کہا گیا ہے۔[138] اللہ کو اپنے پیارے پیغمبر کی عزت اس قدر عزیز ہے کہ لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی مخالفت کرنے سے خبردار کیا جاتا ہے۔[139] آپ ﷺ کی چند اہم خصوصیات یہ ہیں:

آپ کو آخری رسول قرار دیا گیا ہے، آپ کے ساتھ انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کو ایک جامع پیغام عطا ہوا جس کی تفصیلات، سائنسی نقطہ نظر، مقصد، متعلقہ تاریخی واقعات کا خلاصہ، عہد حاضر کے تقاضوں اور قیامت کے دن کی ایک وسیع تصویر کشی کے حوالے سے نمایاں ہیں۔

محمد ﷺ کا پیش کردہ قرآن موجودہ دور میں سب سے زیادہ پھیلنے والا پیغام ہے۔ آپ ﷺ کے پیغام نے عالمی تاریخ اور یہاں تک کہ عصری واقعات پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے۔ سب سے بڑھ

---

[137] الاحزاب:71

[138] النور:59 ,56 ,54

[139] النور:63-64

کر یہ کہ اللہ تعالیٰ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ ایک سے زیادہ دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں[140]۔اس طرح کا اعلان کسی بھی سابقہ نبی کے حوالے سے نہیں کیا گیا۔آپ ﷺ نے جدید معنوں میں ایک ریاست قائم کی اور قرآن کے نفاذ کے لیے بنیادی سماجی اور انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا۔ ریاست کے اس ماڈل کو اس کے جمہوری اصولوں کی وجہ سے سراہا جاتا ہے۔آپ ﷺ زندگی کا آئین عطا والے کا درجہ حاصل کیے ہوئے ہیں۔[141]قرآن مسلمانوں سے کہتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔[142] جو کچھ آپ ﷺ نے کیا اور فرمایا، اسے قرآنی اسوہ حسنہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔[143]

اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کیا ہے کہ ان کا نام بلند رہے گا[144]۔ صرف اپنے پیروکاروں کی نظر میں ہی نہیں، بلکہ مؤرخین اور فلسفیوں کے خیال میں بھی آپ ﷺ ایک عظیم شخصیت ہیں۔آپ ﷺ کے نام کو عبادت کے طور پہ اور ویسے بھی دنیا میں سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو "رحمۃ للعالمین"[145]، زندگیوں میں امن، سکون اور راحت لانے والا شخص کہلانے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ لقب غیر معمولی ہے کیونکہ یہ پیغمبر کے وسیع کام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو یہ کام سونپا ہے کہ وہ آپ ﷺ پر

---

[140] الانبیاء:107

[141] Ziad Elmarsafy, The Enlightenment Qur'an: The Politics of Translation and the Construction of Islam (London: One World Publications, 2009). pp. 121-122. [(Chennai: Chennai Micro Print, 2011)]

[142] النساء:59

[143] الاحزاب:21

[144] الم نشرح:4

[145] الانبیاء:107

داد و تحسین اور سلام بھیجتے رہیں[146]، اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ پر سلام بھیجتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں آپ ﷺ پر سلام بھیجیں۔[147] یہ سلام صرف آپ ﷺ کی ذات کے لیے نہیں ہے[148]، بلکہ آپ ﷺ کے پیروکاروں کے لیے بھی ہے۔

آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ کیا اس کو امام بخاریؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ جیسے معتبر علماء نے جمع کیا ہے۔ حدیث و سنت پر ان کی شائع شدہ تصانیف رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور کاموں کا ایک قابل اعتبار ذریعہ ہیں۔

---

146 یعنی کہ درود شریف۔

147 حم السجدۃ:56

148 ہر نماز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود بھیجا جاتا ہے۔

## اللہ کے ساتھ نجی معاہدے

معاہدے کی ایک دوسری شکل اللہ تعالی کے ساتھ براہ راست ذاتی معاہدے بھی ہیں جس میں عموما کوئی صدقہ کرنے یا کوئی خاص عبادت کرنے یا کوئی اور نیک عمل کرنے کا عہد ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، کچھ طلباء خاموشی سے یہ عہد کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے امتحانات میں کامیاب ہو جائیں تو دس نوافل ادا کریں گے۔ لہذا اگر امتحان پاس ہو جائے تو مذکورہ نوافل ادا کرنے کی ذمہ داری لازم ہو جاتی ہے اور انہیں ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح یہ معاہدہ کہ اگر اسے نوکری مل جائے تو وہ اپنی پہلی تنخواہ کا پچاس یا دس فیصد کسی غریب رشتہ دار کو دیا جائے گا۔ یہ صدقہ کے لیے ایک معاہدہ کی شکل ہے جسے انجام دینا ضروری ہے۔ اللہ کے ساتھ نجی معاہدے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، کچھ لوگ کعبہ کی زیارت کا موقع ملنے کی صورت میں اللہ کے ساتھ کوئی عمل انجام دینے کا نجی عہد کرتے ہیں[149]۔ یہ خالق کے ساتھ ذاتی نوعیت کے معاہدے کی شکل ہوتی ہے جس میں اپنی ہی طے کردہ شرائط ہوتی ہیں۔[150]

---

[149] الحج:29

[150] ایسے الفاظ یا شرائط کا ذکر جو اس مخصوص معاہدے کے لیے خاص ہوں۔ یہ نجی دفعات خاص ضروریات، لوازمات، یا حالات میں ہو سکتی ہیں جو عام معاہدوں میں شامل نہیں ہوتی ہیں۔

## اعمال کے ریکارڈ کا عہد

قرآن وعدہ کرتا ہے کہ اچھے اور برے کاموں کی فہرست تیار کی جائے گی، ہر کسی کے زندگی بھر کے اعمال وافعال اور حتی کہ سوچنے کے عمل کا بھی ڈیٹا اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ اس ریکارڈ کے مرتب کرنے کی اطلاع کو عہد کے طور پر اس لیے دکھانا چاہیے کیونکہ قیامت کے دن مسلمانوں کے اعمال نتائج پر براہ راست اثر انداز ہو گا۔ اگر کوئی مسلمان اچھے کام کرتا ہے تو اسے انعامات کے عہد کے مطابق اجر دیا جائے گا۔ دوسری طرف، اگر لوگ ایسے کام انجام دیتے ہیں جن کو قرآن میں ممنوع یا غیر قانونی قرار دیا گیا ہے یا اس کی سختی سے حوصلہ شکنی کی گئی ہے، تو مذکورہ اعمال کو منفی امور میں شامل کر کے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

تمام اعمال صحیح طور پر ریکارڈ کیے جاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کے ریکارڈ میں سے کسی عمل، سوچ یا نیت کے حذف ہونے کے امکان کو بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔[151] ہر شخص کی زندگی کے منفی اور مثبت دونوں طرح کی سوچ، خیالات اور عمل کو ریکارڈ کرنے کا ایک طریقہ کار وضع کیا گیا ہے۔ اچھے اور برے اعمال کا ریکارڈ اس قدر اہتمام سے رکھا گیا ہے اور اس حوالے سے فرشتوں کو ہمارے اعمال وافعال پر نظر رکھنے کا کام سونپا گیا ہے۔[152] بہر حال، زمین پر ہونے والی تمام چیزوں کا مکمل حساب کتاب رکھا جا رہا ہے۔ اگر کوئی فرد اللہ کی راہ میں تھوڑا یا زیادہ خرچ کرتا ہے تو ثواب کے حقدار کے طور پر اس عمل کو درج کیا جاتا ہے۔ اہل مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ پر قرآن بتاتا ہے کہ ان سب کی ہر کوشش و عمل، جس میں تھکاوٹ، بھوک اور نیکیاں شامل ہیں، انہیں ریکارڈ میں رکھا گیا ہے۔[153]

---

[151] الانعام: 61

[152] الانعام: 59

[153] التوبہ: 120-121

قرآنی معاہدے کی آیات جو اعمال کے ریکارڈ کے متعلقہ ہیں ان کو آج کے دور کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو غالب گمان ہوتا ہے کہ یہ فارنزک رپورٹ کی صورت میں ہو گا، یعنی ہر مادہ شے جیسے پتھر، درخت، عمارت، درودیورا، گاڑی، غرض ہر چیز ہمہ وقت ایک فارنزک ریکارڈ مرتب کرتی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ فرشتے اپنا ریکارڈ بنارہے ہیں۔ اور یہ سب کچھ شہادت کے طور پر جب پیش کیا جائے گا تو یہ خود ہر معاملہ، واقعہ، خیال کے راز کو اظہر من الشمس کر دے گا، اور کوئی متعلقہ شخص اس سے انکاری ہو ہی نہ پائے گا۔

## اللہ کا غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ

قرآن نے بتایا ہے کہ اس کا پیغام یہ یہ بذات خود ایک بنے بنائے یکطرفہ standard term contract کے طور پر ہے، صاحب رائے اس کو اپنی مرضی اور منشا سے قبول کرے اور اللہ کے ساتھ ایک تفصیلی عہد نامے میں بندھ کر اپنی زندگی کے معاملات گزاریں۔ اسی طرح قرآن غیر مسلموں کو اللہ کی وحدانیت اور اس کے نبیوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے[154]۔

تاہم، اگر پیشکش قبول نہیں کی جاتی ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ عہد کیسے ہو سکتا ہے، کیوں کہ معاہدے کے فریم ورک کو وضع کے لیے پہلے پیشکش کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ اگر پیشکش قبول نہ کی جائے تو پھر مسلموں کے لیے سنگین نتائج نکلتے ہیں۔ وہ نتائج براہ راست پیشکش کے انکار سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس تناظر میں اللہ اور اس کے نافرمان کے درمیان ایک 'مخاصمانہ رشتہ' کی نشاندہی ہو جاتی ہے، جس کے اپنے ڈرانے کے وعدے اور نتائج ہیں۔[155]

ان اثرات اور نتائج کی وضاحت اور ان کے یقینی ہونے کو قرآن میں واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ان عذاب کے نتائج کے وقوع پذیر ہونے کا یقین[156] اس مخاصمانہ تعلق کو معاہدے جیسی قانونی خصوصیت عطا کرتا ہے۔ دور جدید کے قوانین میں ہم جانتے ہیں کہ مخالفانہ تعلقات کو بھی ایک قانونی شکل دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، جدید قانون میں جب کوئی اعلانیہ دشمن یا جنگجو ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جسے 'جنگ کے رشتے' کا

---

[154] الاعراف:158

[155] الاعراف:44

[156] الحج:72

سلوک کہا جاتا ہے۔[157]

کافروں کے لیے، قرآن کے بعض حصے اور آیات بالکل ایسے ہیں جنہیں کہ آج کے دور کے قانونی نوٹس کے ساتھ موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ قرآن میں ان سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنا راستہ درست کریں اور قرآن کی طرف رجوع کریں، اور یہ ان کے پاس اپنی موت تک کا محدود وقت ہے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں انہیں آخرت میں سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس کے بعد قرآن مجید کی متعدد آیات میں تفصیل کے ساتھ سزاؤں کا مکمل انکشاف کیا گیا ہے تاکہ کسی کو نتائج کے مکمل علم نہ ہونے کی شکایت نہ ہو۔ غیر مسلموں کے لیے سزاؤں کی تمثیل کا مقصد خوف پیدا کرنا ہے[158]۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ عذاب کے وعدے کے ذریعے زبانی خوف پیدا کریں، تاکہ غیر مسلم ڈر کر، جو کہ ایک انسانی جبلت ہے، اپنی رائے کو قرآن کے حق میں استعمال کریں، اور یہ ڈر شیطان کے وسوسوں کو بھی زائل کرے، تاکہ غیر مسلم اپنی رائے کو قرآن میں دیے گئے حقائق کی روشنی میں قائم کرے۔

یہ طے ہے کہ ڈرانے کا اختیار اللہ نے قرآن کے ذریعے اور حضور پاک ﷺ کے ذریعے کیا ہے لیکن ہمیں یعنی مسلمانوں کو یہ اختیار نہیں دیا کہ ہم غیر مسلموں کو ڈراتے پھریں، یا اگر ہم طاقت اور غلبے میں ہوں تو ان کو زبردستی مسلمان کریں۔ اس تناظر میں یہ کہا گیا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔[159]

ابلیس کے ساتھ اللہ کے معاہدے کے باعث اسے ترغیب کا مناسب موقع دیا گیا، لیکن ساتھ ساتھ اللہ نے قرآن کے ذریعے اپنا پیغام بھی ہر غیر مسلم کے سامنے رکھا ہے۔ اس کا مقصد یہ

---

[157] جنیوا کنونشن، 1949

[158] الفتح: 8

[159] الکہف: 29، البقرہ: 256

ہے کہ کافر اپنی مرضی سے مذہب تبدیل کر کے مسلمان ہوں۔ اسی لیے وہ اپنے پیغام کو ایک کافر کے سامنے اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ مناسب دلائل کے ساتھ انبیاء کی گواہیوں پر غور کرے۔ اس طرح، ہر غیر مسلم کا قرآنی پیغام جانچنے، پڑھنے اور اس پر غور کرنے اور عہد کے پابند ہونے کی پیشکش کو قبول کرنے کے لیے "زندگی بھر" انتظار کیا جاتا ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ قرآن یہود و نصاریٰ کو بھی مخاطب کر رہا ہے اور ان کے خدشات کا جواب دینے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ عیسائیوں کے لیے، یہ پیغام دیا گیا کہ اللہ نے کبھی بھی عیسی علیہ السلام کو نہیں کہا کہ وہ خود کو خدا کے بیٹے طور پہ پیش کریں۔[160]

اللہ تعالیٰ نے قرآن کے 'لیگل نوٹس' والے حصوں میں فرمایا ہے کہ: وہ نسل انسانی کے کسی بھی طبقے کو اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک کہ اس نے انہیں رسولوں کے ذریعے آگاہ نہ کیا ہو۔ یعنی اللہ کے پیامبر در حقیقت اللہ کے معاہدے کے پیغام کی، آفر کی، احکام کے مندرجات کی، جو عہد حاضر کی قانون اصطلاح میں ایک 'سمن'(sumon) کا درجہ رکھتے ہیں ان کی تعمیل اپنے ارد گرد کے لوگوں پر کراتے ہیں۔ قادر مطلق بار بار اس طرح کے انتباہات کو نمایاں کرتا ہے۔ حقیقت میں، وہ صرف ان تقاضوں کو پورا کر رہا ہے جیسے ہم، جدید دور میں، مناسب قانونی طریقہ کار کے طور پر دیکھتے ہیں تاکہ فرد یہ شکایت نہ کر سکے کہ اس کو پیشگی اطلاع نہیں دی گئی۔

---

[160] التوبۃ: 68, 73

## منافقین کے ساتھ عہد

ہر اس منافق کے ساتھ بھی اللہ کا عہد موجود ہے جو بہ ظاہر تو ایمان لانے کا اعلان کرتے ہیں لیکن وہ در حقیقت صرف ایمان کا دکھاوا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے منافق مسلمانوں کو سخت سزا دی جائے گی۔[161] اس میں وعدے کی پاسداری پر زور دیا گیا ہے اور اگر کوئی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ دل و جان سے تمام احکام بجا لائے۔ تاہم، 'دکھاوا کرنے والے' مسلمان کے دوہرے کھیل سے اللہ واقف ہے۔[162] اگر دیکھا جائے تو شاید ایک کافر، دھوکہ دینے والے منافق سے بہتر ہے کیونکہ کافر اپنی باتوں پر عمل کرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو وہ کہتے ہیں۔ دوسری طرف، 'ڈھونگ کرنے والے منافقین' باقاعدہ دھوکہ کرتے ہیں، دوہرے گناہ گار کہلاتے ہیں۔

---

[161] التوبہ:74, 78
[162] البقرہ:15-13, 76-77

# باب سوم:

# سماجی معاہدے

قرآن کے کچھ احکامات سماجی حوالے سے ایسے بھی ہیں کہ انہیں بجا طور پر سماجی معاہدوں کے طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔اب ہم ان معاہدوں کے بارے میں بحث کریں گے اور انہیں شناخت کر کے ان کے قانونی خدوخال کی وضاحت کریں گے۔یہ معاہدے معاشرے پر براہ راست اثرات مرتب کرتے ہیں۔یہ سماجی معاہدے، ان ذاتی معاہدوں سے ممتاز ہیں جن پر پہلے حصے میں بحث کی گئی ہے۔سماجی معاہدے، ایک گروہ یا متعدد افراد کے درمیان ذمہ داریوں کے ساتھ، معاشرے کی ترقی اور ہم آہنگی پر بہت زیادہ اثر ڈالتے ہیں۔

# شریعت کا معاہدہ

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ تعلق کا ایک خاص قانونی رشتہ ایستادہ کرتے ہیں جو کہ قانون بنانے والے اور اس قانون کے اطاعت گزاروں کے درمیان ایک معاہدے کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہم سب اس قانون کے تابع ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ کا قرآن حکم الٰہی ہے اور ہم سب اللہ کے قانون کے تابع ہیں۔اسی لیے ہم قرآن کو ایک حاکم کے حکم کے طور پر بھی لیتے ہیں جس کا مقصد رعایا کو اپنی نجی اور عوامی زندگیوں میں نافذ کرنا ہوتا ہے۔ وسیع تر معنوں میں بعض علماء پورے قرآن کو قانون یا شریعت کے طور پر لیتے ہیں۔ یہ موقف بھی غلط نہیں۔ لیکن شریعت کے محدود معنی بھی ہیں۔

یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی قانون دان تھے اور قانون کا سرچشمہ بھی تھے۔ وہ اس زمانے کے رعلاقائی قانون کے ماہر تھے اور ساتھ ساتھ بین الاقوامی قوانین جو قبائل اور عرب کے ارد گرد رہنے والوں کے معاملہ فہمی کے متعلق تھے اور علاوہ ازیں، روز قیامت جن قوانین کا اطلاق ہو گا ان میں بھی وہ یکتا ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں جو قوانین و ضوابط پیش کیے تھے ان کے جمع کرنے میں اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن آپ ﷺ کی بنیادی حیثیت یہ ہے کہ جہاں وہ اللہ کے رسول ہونے کے ناطے قانون پہنچانے والے ہیں، وہیں وہ اپنی ذات میں قانون ساز بھی ہیں۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا شریعت محدود معنوں میں سزاؤں سمیت انصاف کے انتظام کے لیے ایک رسمی نظام کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ وہ آیات جو کہ رسمی قانونی احکام کی خصوصیات رکھتی ہیں، ان کی تعداد کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔[1] آیات کی تعداد کے بارے میں بحث کو ایک طرف رکھا جائے تو یہ ایک حقیقت ہے کہ شریعت میں سزائیں بہت کم آیات میں بیان ہوئی ہیں، آیات کی اکثریت عمومی امور اور ہدایات کو بیان کرتی ہے جن کے لیے کوئی دنیاوی سزا

[1] M.A.S. Abdel Haleem, The Qur'an: A New Translation by M.A.S. Abdel Haleem. (New York: Oxford University Press, 2004). pp. xviii.

تجویز نہیں کی گئی ہے۔ صرف چند مخصوص آیات سزاؤں کی بات کرتی ہیں۔

یہ بھی ایک غالب نظریہ ہے کہ ایک بار جب کسی کو شرعی سزادی جائے تو پھر آخرت میں اس غلطی کی مزید کوئی سزا نہیں دی جائے گی[2]۔ شریعت کے نفاذ کا طریقہ کار ہمیشہ نمایاں موضوع رہا ہے۔ یہ بھی زیر بحث ہے کہ یہ سزائیں اس صورت میں ہی دی جاسکتی ہیں جب اسلامی ریاست قائم کی جائے۔ یہ بحث اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔

ہم شریعت کے قانون کو ایک عہد کیوں سمجھتے ہیں اور اسی کو اس معاہدے کی تحقیق میں بطور ایک معاہدہ کیوں شامل کرتے ہیں؟ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی حکم کو جس کو وہ شرعی سمجھتا ہو، کی اطاعت اس نیت سے کرتا ہے کہ اللہ تعالی کی رضا حاصل ہو جائے یا اس کو ثواب ملے تو یہ نیت ایک consideration بن جاتی ہے، اور اللہ کے حکم کے ساتھ ساتھ یہ اللہ ہی کے ساتھ ایک اضافی معاہدے کی حیثیت بھی اختیار کرلیتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی مسلمان کسی یورپی ملک یا امریکا میں اپنے اوپر شراب کو حرام قرار دیتا ہے تو گویا اس کے تصور میں اللہ سے براہ راست شرعی عہد اور اس کے بدلے ثواب واضح طور پر متوقع ہو گا۔ یوں اطاعتِ حکم ثواب کے معاہدے کی حیثیت بھی اختیار کرلے گا۔

[2] Wael B. Hallaq, An Introduction to Islamic Law. (Cambridge: Cambridge University Press, 2016). pp. 16

## ریاست اور شہری کا عہد

ہم ایک سیارے پر رہتے ہیں اور ہمیں ایک خاص مدت کے لیے زندگی عطا کی گئی ہے۔ یہ سیارہ اعلانیہ طور پر اللہ تعالی کی ریاست یا ملکیت ہے،[3] اور ہم 'اس کے ملک' کے شہری ہیں۔ اس سے ایک اور قانونی تعلق سامنے آتا ہے جو ہم میں سے ہر ایک کا اللہ کے ساتھ ہے، یعنی ایک ریاست اور ایک شہری کا رشتہ۔ ہم یہ حقیقت جانتے ہیں کہ اللہ کی ریاست کے شہری ہونے کے ناطے ہمیں اپنی ضروریات، جان و مال کی حفاظت، آگے بڑھنے کے مساوی مواقع جیسی سہولیات دی جاتی ہیں۔ اس کے بدلے میں، ہم سے وفاداری کی توقع کی جاتی ہے، یعنی ہم 'ریاست' کے مفادات اور مقاصد کے خلاف کام نہیں کریں گے، اور ہم قرآن کو اللہ کی پوری زمین پر قائم ریاست کے آئین کے طور پر مانتے ہیں۔ یہ کوئی غیر معقول مطالبہ نہیں ہے، کیونکہ موجودہ جدید ریاستوں کے تمام آئینی ڈھانچے اسی طرح کے وفاداری کے عہد کا تقاضا کرتے ہیں۔ کم و بیش ملتی جلتی شکلوں میں، ریاست کی اطاعت و وفاداری آئینی اور سماجی ذمہ داری کے طور پر لاگو ہوتی ہے اور بدلے میں وسائل کی فراہمی، شہری سہولیات، اور حقوق تفویض کیے جاتے ہیں۔ موجودہ دور کے آئین یا وفاقی اور ریاستی قانون کے آرٹیکلز میں اسی طرح کے خدوخال ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر،[4] امریکا اور ہندوستان کے آئین،[5] کے ساتھ ساتھ پاکستان کے آئین،[6] میں ایسی دفعات موجود ہیں جن کے تحت ایک شہری کو ریاست کا وفادار اور فرمانبردار ہونا ضروری ہے۔ یہ ایک بنیادی سماجی معاہدہ ہے جس میں ہر شہری ریاست کے ساتھ اس میں شریک ہوتا ہے اور یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو ریاست کے شہری

---

[3] المائدہ: 17
[4] امریکی کوڈ: 1448
[5] بھارتی آئین، آرٹیکل 51(A)
[6] پاکستانی آئین، آرٹیکل 5

نہیں ہیں یا غیر ملکی ہیں یا ریاست کا دورہ کرتے ہیں، ان پر بھی ایسا کچھ لاگو ہوتا ہے، اور انہیں بھی ریاست کے قوانین کی تعمیل کرنی ہوتی ہے۔

ملک یا ریاست اللہ کی ملکیت ہے، وہ اپنی ریاست کے بادشاہ بھی ہیں، اور قرآن میں اس کا اعلان موجود ہے۔ بادشاہ جو بھی حکم دیتا ہے اس کے تحریری احکامات (قرآن) کی تعمیل کرنا قانونی فرض ہے۔ کائنات کے مالک صرف اللہ تعالی ہی ہیں، اور کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات میں ہر چیز اتنی احتیاط سے اور ریاضیاتی اصولوں کے ساتھ کام کرتی ہے۔

یونانی افسانوں میں ہمیں ایک سے زیادہ خدا ہونے کی مشکلات اور دیوتاؤں کی آپس کی لڑائی اور خیالی کائنات کی بے ترتیبی سے پیدا ہونے والی گڑ بڑ کا احساس ملتا ہے[7]۔ جبکہ قرآن اللہ کو واحد 'سچا' بادشاہ قرار دیتا ہے۔[8] اس طرح ہم اپنے رب، اپنے اللہ کی رعایا ہیں، اور یہ تصور ہمارے اور ہمارے بادشاہ کے درمیان اس کی ریاست کے شہری ہونے کے علاوہ اطاعت کا ایک اور معاہدہ لاگو کرتا ہے۔

---

[7] مثال کے طور پر یونانی، مصری اور ہندی تہذیبیں۔

[8] الناس: 2

## امانت دار کا عہد

وسیع تناظر میں، قرآن مسلمان کے ساتھ امانت کے قانونی تعلق کو ایک اور زاویے سے بیان کرتا ہے۔[9] اللہ تعالی نے کرہ ارض کو ہماری امانت میں دیا ہوا ہے۔ زمینی وسائل کو اچھی طرح سے منظم کرنے کے لیے وہ ہمارے اوپر اعتماد رکھتے ہیں اور ہم اس سے براہ راست فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ ہم ہوا میں سانس لیتے ہیں، زمین پر چلتے ہیں، اور اس کے وسائل نکالتے ہیں جو ہماری صنعتی ترقی کو تقویت دیتے ہیں، جانوروں پر سوار ہوتے ہیں، ان کا گوشت کھاتے ہیں، اور ان کے چمڑے کا استعمال کرتے ہیں۔

Qui sentit commodum sentire debet et onus، یعنی[10] جو آدمی فائدہ حاصل کرتا ہے اس شے کا بوجھ اور ذمہ داری اٹھانی ہوگئی۔ یہ لاطینی قانونی ضرب المثل ہے جو کہ کافی مشہور ہے اور سمجھنے میں مدد کرتی ہے کہ اگر آج ہم، ایک نسل انسانی کے طور پر، اپنے سیارے کے وسائل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، تو پھر ہمارا فرض ہے کہ ہم ان وسائل کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری بھی اٹھائیں۔ ان وسائل کو ہم 'گلوبل کامنز' کہتے ہیں،[11] یعنی کچھ چیزیں بنی نوع انسان کے مفاد کے لیے عام ہیں، اور ہر ملک کا فرض ہے کہ وہ زمین کے وسائل کو محفوظ رکھے جو ان کے متعلقہ علاقوں میں آتے ہیں، کیونکہ ایسا کرنے میں ناکامی باقی سب کو متاثر کرے گی۔ اسی حوالے سے اقوام متحدہ میں میزان کے نام سے ایک پروگرام شروع کیا گیا ہے جس کا مقصد قرآنی حوالے سے انسان کی بطور امانت دار فرائض کی نشاندہی کی گئی ہے۔

امانت یا ٹرسٹ کے تعلق کو عربی میں 'امانہ' کہا گیا ہے۔ اسلام کی اس پر متعدد ہدایات ہیں کہ

---

[9] الانفال: 27

[10] "جو شخص فائدہ اٹھاتا ہے اسے بوجھ بھی اٹھانا چاہئے۔" (St. Paul, MN: Thomson-Reuters, 2019)

[11] "کسی بھی ملک کے دائرہ اختیار سے باہر ایک یا زیادہ علاقے، جیسے بلند سمندر، بیرونی خلا، یا انٹارکٹیکا۔" (St. Paul, MN: Thomson-Reuters, 2019)

عہد کی تعظیم کرنی چاہیے اور امانت میں رکھا ہوا سامان مانگنے پر واپس کرنا چاہیے۔ قرآن میں کثرت سے ذکر کردہ ذمہ داریوں میں سے ایک یہ یقینی بنانا ہے کہ امانت کے طور پر کسی کی امانت میں رکھے ہوئے سامان کو اسی طرح واپس کیا جائے جیسا کہ وہ دیا گیا تھا۔[12]

امانت دار کا معاہدہ ایک معنوں میں ہمیں یہ باور کراتا ہے کہ ہر وہ مسلمان جو کسی منصب، عہدے پر فائز ہے وہ درحقیقت امانت دار ہے، اپنے فرائض کو نبھانے کا، کیونکہ ہر عہدہ درحقیقت ایک امانت ہوتا ہے۔ اور عموماً ہر حکومتی عہدے کے حلف میں امانت دار کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سرکاری عہدے پر فائز ہر شخص، کلرک، ڈپٹی سیکرٹری، سیکرٹی، صدر وغیرہ پر لازم ہے کہ وہ اپنے اختیارات کے استعمال کو اللہ تعالی کے ساتھ اس معاہدے میں ایک سچے امانت دار کی طرح ادا کرے۔

اللہ تعالی اور مسلمانوں کے درمیان امانت دار، یعنی 'ٹرسٹ' کی ایک نہیں بلکہ کئی قسمیں ہیں اور ہر قسم اپنی جگہ ایک معاہدہ یا عہد ہے۔ مثلاً یہ کہ امانت کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ ایک بہت ہی منفرد تصور ہے جو متعدد قانونی تعلقات کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رسمی معنوں میں، 'trust' کی اصطلاح کو ایک خاص قانونی شے کے نام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے[13] جو ایک تحریری طور پر تخلیق کیا جاتا ہے۔ اس کو اسلامی فقہا نے وقف کہا ہے، مثلاً وقف علی الاولاد۔[14]

---

[12] النساء:58

[13] الرعد:2، 225 Eggen, Nora S. "Conceptions of Trust in the Qur'an." Journal of Qur'anic Studies (2011): 56-85

[14] Kahf, Monzer. "The role of waqf in improving the ummah welfare." In International Seminar on Waqf as a Private Legal Body, pp. 6-7. 2003.

## اجتماعی زندگی کا معاہدہ

قرآن جہاں ہر شخص کے ساتھ اللہ کا براہ راست معاہدہ ہیں وہاں یہ ہر نوعیت کے اجتماع کے نظم کا ایک آئین بھی ہے۔

یہ اجتماعی زندگی گزارنے کی ایک دستاویز ہے اورا ایک ساتھ رہنے کے عمرانی معاہدے کے طور پر کام کرتا ہے۔اس کا مقصد تمام گروہوں کے لیے ایک سٹینڈرڈ آئین، ایک سماجی چارٹر، ایک معاشرتی قانون یا دین کے طور پر کام کرنا ہے۔ چاہے وہ گروہ چھوٹا ہو، ایک خاندان ہو یا قبیلہ ہو، شہری علاقہ ہو، یا کسی ملک یا بہت سے ممالک کے رہائشی ہوں۔ قرآن پڑھتے ہوئے، ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ یہ بیک وقت افراد اور گروہوں سے مخاطب ہوتا ہے۔ قرآن بنیادی طور پر لوگوں کو 'گروہوں' کی شکل میں بھی نصیحت کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں،اس کی ہدایات، اگرچہ فرد واحد کے لیے نظر آتی ہیں، مگر قرآن اجتماعی انسانی زندگی کے لیے ایک لائحہ عمل رکھتا ہے، چاہے وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔

اسی تناظر میں قرآن نے ذاتی معاملات،[15] باہمی احترام،[16] دوسروں کا استحصال نہ کرنے اور ان کے احترام کو برقرار رکھنے،[17] منصفانہ اقتصادی طرز عمل،[18] معاہدوں کے ذریعے منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی منتقلی،[19] جیسے تمام پہلوؤں کے لیے مخصوص اصول وضع کیے ہیں۔ وراثت،[20] فوجداری اور دیوانی انصاف کا نظام،[21] رازداری کے معیارات،[22] مشاورتی عمل

---

[15] الحجرات:12، البقرہ:60، النساء:36

[16] لقمان:18

[17] الحجرات:11

[18] الشعراء:181، الکہف:35، النساء:29

[19] البقرہ:283-282

[20] النساء:176 ,11-12

[21] آل عمران:130، البقرہ:230، البقرہ:179-178

کے ذریعے فیصلہ کرنا، خواتین، بچوں اور بوڑھوں جیسے کمزور افراد کے[23] حقوق،[24] اضافی اثاثوں میں اشتراک،[25] وعدوں اور معاہدوں کا لحاظ رکھنا،[26] وغیرہ، پر تفصیلی احکامات دیے گئے ہیں۔

یہ سب ایسے معاملات ہیں جو کسی بھی معاشرتی نظم ضبط کے حوالے سے اہم ترین ہیں اور طریقہ انتہائی مؤثر اپنایا گیا ہے، یعنی پہلے ہر یک مسلمان سے فرداً فرداً براہ راست ہر رہنما اصول کے حوالے سے انعام کا وعدہ اور معاہدہ کیا گیا۔ یوں جب ہر مسلمان انعام اور اللہ کی رضا کی نیت سے یہ اقدامات کرے تو اجتماعی طور پر ایک پورا معاشرہ نیکی اور راست اقدامات پر استوار ہو جائے۔

عموماً سیاسی نظام کو اوپر سے مسلط کیا جاتا ہے، لیکن قرآن ہر مسلمان کے ساتھ معاہدہ کر کے انفرادی سطح پہ معاشرے کی فلاح کا فریم ورک تشکیل دیتا ہے جو پھر بتدریج اوپر کی سطح تک خود بخود پہنچ جاتا ہے۔ اور یوں ایک اجتماعی نظام زندگی سامنے ابھرتا ہے جسے قرآن نے دین بھی کہا ہے۔

---

[22] الحجرات: 12، النور: 27

[23] الشوریٰ: 38، آل عمران: 159

[24] بنی اسرائیل: 23، البقرہ: 273

[25] المنافقون: 10، النساء: 37، البقرہ: 273

[26] البقرہ: 177

## مروجہ قوانین کی بالادستی کا عہد (اولوالامر)

جب قرآن یہ ہدایت کرتا ہے کہ اہل ایمان کو ان لوگوں کی پیروی کرنی چاہیے جو صاحب اختیار ہیں (یا اولی الأمر کا درجہ رکھتے ہیں) تو یہ حکم ایک ریاست کے شہری اور اس پر حکومت کرنے والے 'بااختیار' کے درمیان ایک معاہدہ طے کرتا ہے۔ اللہ تعالی تقاضا کرتے ہیں کہ (1) اللہ، (2) اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، (3) اور جن کو تم میں سے ''اختیار'' دیا گیا ہے، ان کی پیروی کی جائے[27]۔ عام طور پر، 'اہل اقتدار' کو حکمرانوں یا بادشاہوں کی ذات کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر ایسا ہو سکتا ہے۔ آج کے دور میں آئین اور الیکشن کے قوانین کے ذریعے وزیراعظم، صدر اور دیگر وزراء کی تقرری ہوتی ہے۔ یہ سب عہدیدار قانون کے ذریعہ "فراہم کردہ" اختیارات کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ قانون سے ماورا اختیارات استعمال نہیں کر سکتے۔

گویا دور حاضر کا 'اولوالامر' آئین اور لکھے ہوئے قوانین ہیں جو رائج ہیں۔ اس لحاظ سے، ہر مسلمان قانون کے مطابق اصل میں کسی 'ضابطے'[28] (The rule of law) کی اطاعت کر رہا ہوتا ہے۔ یہ اختیار ہمیشہ قوانین کے ذریعے استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن ہمیں تاکید کر رہا ہے کہ مشاورتی عمل کی بنیاد پر تیار کردہ قانون سازی اور آئین پر عمل کریں۔ قرآن میں مشاورت کی بنیاد پر فیصلے کرنے کے احکامات ہیں، اور اسی کے تحت گفت وشنید کر کے آئینی یا قانونی مسودہ تیار کیا جائے گا[29] جو پھر ازخود امر کے طور پر نافذ ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے نمائندوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ایسے افراد کے انتخاب کے لیے قانون اور طریقہ وضع کریں۔ اس طرح، مروجہ قانون ہی اصل میں اولی الامر بن جاتا ہے۔

---

[27] النساء: 59

[28] رول آف لاء: صوابدیدی طاقت کے مقابلے میں ضابطے کی بالادستی؛ شہریوں کو قانون کی حکمرانی کا احترام کرنا چاہیے۔

[29] النساء: 59

## اتھارٹی کی پیروی کرنے کا عہد (امر بالمعروف)

قرآن میں ایک مسلمان اور حکومتی اتھارٹی کے درمیان ایک عہد طے کیا گیا ہے جو کہ نیک اعمال یا معروف[30] کو نافذ کرنے کی طاقت رکھتی ہو۔ حکمران، جس کے بارے میں کہا گیا کہ اس کی اطاعت کی جانی چاہیے، دراصل، یہ حاکم ہر مسلمان کو رُول آف لاء کی اطاعت کرنے پر مجبور کرتا ہے، اور دوسری سطح پر، یہ مسلمان کو اس اتھارٹی کی بات سننے اور ماننے کا بھی پابند بناتا ہے جو ریاست میں قائم ہے[31]۔ جرائم (جنہیں پہلے گناہ کا نام دیا جاتا تھا) کو روکنے کی یہ طاقت، جدید ریاستی ڈھانچے میں قانون نافذ کرنے والے اداروں جیسے کہ پولیس یا ڈرگ اتھارٹی، انسداد دہشت گردی اسکواڈ یا اینٹی منی لانڈرنگ پراسیکیوٹرز، یا کسٹم حکام کے پاس ہے۔ لہذا ہر مسلمان شہری کو ریاستی محکموں کی اصولی طور پر بات ماننی چاہیے۔ یہ بھی طے ہے کہ اگر کوئی ریاستی محکمہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر رہا ہو تو اس ناجائز حقِ استعمال کو چیلنج بھی کیا جاسکتا ہے۔

یہ واضح ہے کہ ریاست نماز اور روزے جیسی مذہبی رسومات سے متعلق قرآنی ہدایات کو نافذ نہیں کرسکتی، کیونکہ اس سے آزادی(free wiill) کے برخلاف زبردستی کرنا پڑے گی جبکہ اللہ ایسا نہیں چاہتے۔ تاہم، ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عام نیک اعمال جو صحیح اور غلط کے قرآنی تصور سے جڑے ہوئے ہیں، نافذ کیے جاسکتے ہیں؟ یا انہیں بھی لوگوں کی رضا پر چھوڑ دیا جائے؟ یہاں صورت حال ذرا مختلف ہو جاتی ہے، کیونکہ اچھے اعمال اور برے اعمال کی شناخت جدید قانون سازی کے ذریعے کردی گئی ہے، اور کافی اخلاقی موضوعات کو قابل عمل قوانین میں تبدیل کردیا گیا ہے۔ انہیں ریاست نافذ کرے گی۔ قرآن اس کردار کو انجام دینے کے

---

[30] آل عمران:104

[31] النساء:59

لیے ایک الگ ادارے[32] کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے، جو کہ جدید دور میں ایک ریاست سے منظور شدہ ادارہ ہو گا جو لوگوں کو غلط کاموں سے باز رکھے اور انہیں قانونی طور پر جائز طرز عمل یا عمل صالح اور 'اچھے کاموں' کی طرف ترغیب دے، یہ جدید دور کی پولیس ہو سکتی ہے۔ 'برے کام' کے ارتکاب کے خلاف زبردستی قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے۔ ایک مذہبی گروہ رضاکارانہ جماعت یا کچھ افراد دعوت کے ذریعے بھی یہ کردار ادا کر سکتے ہیں، جو کہ مفید ثابت ہو گا۔ لیکن چونکہ ان کے پاس حکم دینے کی طاقت نہیں ہے،[33] لہذا، وہ اس آیت کے حکم کو نافذ کرنے کے لئے موثر نہیں ہوں گے۔ اس لحاظ سے، کسی بھی حکومت کی پوری ایگزیکٹو برانچ ان قوانین کو نافذ کرنے کا کردار ادا کرتی ہے جو اس کے شہریوں میں 'اچھے کاموں' یا عمل صالح کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور 'برے کاموں' سے روکتے ہیں۔

---

[32] آل عمران:104

[33] آل عمران:110, 114

## جہاد کا عہد

قرآن نے کئی جگہوں پر ان لوگوں کے لیے اجر کی ضمانت دی ہے جو جہاد کے لیے تیار ہیں[34] اور اس عمل میں اپنی جان دینے کے لیے بھی تیار ہیں۔ یہ اللہ اور جہاد کے لیے تیار ہونے والے مسلمان کے درمیان ایک عہد ہے، ایک معاہدہ ہے۔ جہاد اپنی نیت، جائیداد، پیسے اور وسائل کے ذریعے بھی کیا جاسکتا ہے[35]۔ یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ابلیس، اور نفس کے خلاف فتنوں اور نفسی خواہشات کو اپنے اندر دبانے کے عمل کو بھی جہاد ہی کہا جاتا ہے۔[36]

پرجوش مسلمان نوجوان جو جہاد کے اس عہد کو نبھانے کے خواہشمند ہیں، بعض اوقات وہ کسی ایسے مذہبی گروہ کی صفوں میں شامل ہونے کے مواقع تلاش کرتے ہیں جو جہاد کا اعلان کر رہا ہو۔ مگر جدید دور میں جنگی جہاد میں حصہ لینا کوئی شخصی یا انفرادی عمل نہیں ہے بلکہ یہ ریاست کے قوانین اور نظم وضبط کے تابع ہے، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ حاکم کی بات سنے۔ عصر حاضر میں کوئی مومن انفرادی طور پر جہاد کا فریضہ نہیں سنبھال سکتا۔ کیونکہ ہر ملک نے آرمی ایکٹ، ایئر فورس اکلٹ، نیوی ایکٹ، ڈیفنس فورس ایکٹ بنائے گئے ہیں۔ ان کے تحت ریاست کی جانب سے طاقت کا استعمال ایک تربیت یافتہ آرمی کو تفویض کیا گیا ہے۔ ہر نوجوان جو جنگی جہاد کی خواہش رکھتا ہے اس کو اپنے مسلمان ملک کی آرمی میں شمولیت کی درخواست دینا ہوگی۔ متعلقہ صلاحیت ہونے پر اس کی سلیکشن اور تربیت ہوگی اور پھر ہی وہ جنگی جہاد کا حصہ بن سکتا ہے۔ لیکن بہر حال یہ ایک وسیع موضوع ہے، اور اس پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، لیکن اس کام کی حد تک اتنا بتا دینا کافی ہے کہ قرآن میں جہاد کے جو اصول بیان کیے

---

[34] Asma Afsaruddin, "Jihad | Meaning, Examples, & Use in the Quran | Britannica," in Encyclopedia Britannica, 2019, https://www.britannica.com/topic/jihad. Accessed 12th December 2023.

[35] التوبۃ:20، النساء:96

[36] Surkheel Sharif, Jihaad Al-Nafs: The Greater Struggle, (United Kingdom: The Jawziyyah Institute, 2006)

گئے ہیں، وہ بین الاقوامی قوانین کے جدید نظریات سے متصادم نہیں ہیں، مثلاً جیسے کہ دوسرے ملک میں دراندازی تو ممنوع ہے، لیکن اگر کہیں معصوم شہریوں یاافراد کا قتل عام کیا جارہاہو تو ان کو بچانے کے لیے بین الاقوامی قانون اجازت دیتا ہے۔ جہاد کی بھی تقریباً یہی شرائط ہیں۔

## قسموں کا عہد

قرآن میں، اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنی بہت سی جاندار اور غیر جاندار مخلوقات کی قسم کھائی ہے[37]۔ قسم یا حلف اٹھانا ایک اضافی قانونی جواز فراہم کرتا ہے جس کا مقصد قرآن میں جو کچھ بھی بیان ہوا ہے اس کے درست ہونے کو ثابت کرنا ہے۔ اگرچہ ہر آیت کو قرآن میں بیان کردہ حقائق کی درستگی کا ثبوت قرار دیا گیا ہے۔ کچھ لوگ قرآن کی قسم بغیر سوچے سمجھے کھا لیتے ہیں۔ اس لحاظ سے کھانے والے اور جس کے سامنے قسم کھائی جا رہی ہے، کے درمیان حلف ایک قانونی وعدہ بن جاتا ہے۔[38]

حلف اٹھانا کسی حقیقت یا وقوعے کے ثبوت کی حمایت کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ چونکہ قرآن مختلف امور کے بارے میں بات کرتا ہے جو انسانی آنکھ کو معلوم نہیں یا کسی کو ان کا تجربہ نہیں ہے، جیسے کہ آخرت، یا خود اللہ کی ذات جس کو ہم سے کسی نے نہیں دیکھا، اسی طرح نہ ہی ہم نے فرشتوں کو اڑتا، آسمان سے زمین اور زمین سے آسمان کی طرف آتے جاتے دیکھا ہے۔ ظاہر ہے ایک عام انسان اپنی قوت حافظہ اور قوت ناظرہ اور قوت سامعہ پر انحصار کرتا ہے، حقائق کے وجود کو ماننے کے لیے۔ جبکہ اللہ کی ذات، فرشتے ان دیکھے ہیں۔ یہاں تک کے گزرے ہوئے پیغمبر بھی آج کے دور کے کسی مسلمان نے ظاہر ہے، نہیں دیکھے۔ 'حلف' یا 'قسم' ان دیکھی چیزوں پر اعتبار لانے کا یا ان کو ثابت کرنے کا ایک قانونی طریقہ ہے۔ ایسے مواقع پر جہاں پیغام کا نازل کرنے والا خود مداخلت کرتے ہیں کہ وہ ان چیزوں کے نام پر قسمیں اٹھاتے ہیں جو انہوں نے قرآنی دعووں کی درستگی پر زور دینے کے لیے پیدا کی ہیں۔[39]

---

[37] الصفت:1 ,3

[38] Tariq Mahmood Hashmi, A Study of the Qur'anic Oaths; An English Translation of Iman Fi Aqsam Al-Quran by Hamid al- Din Farahi (Lahore: Al-Mawrid, 2009), pp. 63-68.

[39] العصر:1، العادیات:1، التین:1-3، الضحی:1-3، الشمس:1-7، البلد:1، المدثر:32-34

## مشاورت کے عہد

زندگی کے عمومی معاملات کے بارے میں مشاورت کرنے کے لیے ایک واضح ہدایت موجود ہے، اور اس کے ذریعے ہم ایک ایسے لائحہ عمل پر متفق ہوتے ہیں جو تمام متعلقہ لوگوں کے لیے لازم ہے جو براہ راست یا نمائندوں کے ذریعے مشاورتی عمل میں حصہ لیتے ہیں[40]۔ اس طرح کے مشاورتی عمل کا نتیجہ کسی فیصلے، معاہدے، قانون سازی، یا کسی دوسری شکل میں سامنے آسکتا ہے جس کے پابند ہونے کے لیے تمام مشاورت کرنے والے اتفاق کرتے ہیں۔ قرآن کسی بھی فیصلے پر پہنچنے کے لیے پہلے مشاورت[41] تجویز کرتا ہے، اور پھر مذکورہ فیصلہ ان تمام لوگوں کے لیے لازم ہو جاتا ہے جنہوں نے اپنے طور پر مشاورتی عمل میں حصہ لیا۔ اس طرح، مشاورت کا عمل کسی فیصلے یا عہد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے جس پر عمل درآمد تمام متعلقہ افراد کے لیے نتیجہ خیز اور تعمیری ہوتا ہے۔

قرآن اس بات کی سختی سے تاکید کرتا ہے کہ دنیاوی معاملات میں کوئی بھی فیصلہ سازی، خواہ حکومت کی تشکیل ہو، نمائندوں کے انتخاب کے لیے کوئی پالیسی ہو اور قواعد وضوابط کی تشکیل ہو، یا کوئی بھی روزمرہ کا فیصلہ ہو اس میں مشاورت کی جانی چاہیے[42]۔ ہر فرد مجلس میں ایک مختلف بصیرت، مہارت اور تجربہ لاتا ہے، اور جب ان سب کو ایک ساتھ جمع کیا جاتا ہے، تو نتیجہ زیادہ مفید سمجھا جاتا ہے، جس میں کسی ایک فرد کے فیصلے کے برعکس، مسئلے کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے روزمرہ کی زندگی کے تمام معاملات میں مشاورت کی ترغیب دی جاتی ہے۔ خاندان کے افراد بشمول بچوں اور نوعمروں کے درمیان بھی مشاورت کی

---

[40] الشوریٰ:38، آل عمران:159

[41] الشوریٰ:38، آل عمران:159

[42] الشوریٰ:38، آل عمران:159

جانی چاہیے کیونکہ وہ تازہ اور نوخیز شعور کے مالک ہوتے ہیں۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسی بے شمار مثالیں دیکھتے ہیں جہاں کسی خاص فیصلے تک پہنچنے کے لیے مشاورت کی گئی۔ مشورے کے نتیجے میں ہونے والا عہد اصل میں اجتماعی بھلائی، دنیاوی فائدے اور بہبود کے لیے ہوتا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مذہبی معاملات میں ماہرین بھی مشاورت کرتے ہیں جسے اجماع[43] کا نام دیا گیا ہے۔

باہمی مشاورت کو اتفاق رائے تک پہنچنے کے لیے ایک سنگ بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اس کو اللہ نے تجویز کیا ہے۔[44] اور اس میں شک نہیں کہ جب بھی ایک سے زیادہ انسان غور و فکر کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں تو باہمی دانش بڑھ جاتی ہے، اور مسئلہ حل کی جانب گامزن ہو جاتا ہے۔

---

[43] مسلم فقہاء کا کسی ایک مسئلے پر متفق ہو جانا۔ Ali, Abdullah bin Hamid. "Scholarly consensus: Ijma': between use and misuse." Journal of Islamic Law and Culture 12:2 (2010): 92-113.

[44] الشوری:38، آل عمران:159

## ثالث کے ساتھ معاہدہ

اللہ تعالی ہر اس شخص ساتھ ایک عہد کرتے ہیں جو رضاکارانہ طور پر رشتہ داروں، دوستوں اور دفتر میں ساتھیوں کے درمیان تنازعات میں یا تجارتی امور میں ثالثی[45] کا کردار ادا کرنے پر تیار ہو جائے۔ اس کام کے بدلے اس کو غیر معمولی انعامات دیے جائیں گے۔ ہم میں سے ہر ایک کو تنازعہ میں ثالثی کا مستقل اختیار دیا گیا ہے۔ ہمیں تنازعہ کے فریقین کی طرف سے ثالث کے طور پر اپنے تعین کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کے اندر اسی نقطہ نظر کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے،[46] اور اللہ نے اس کے بدلے میں غیر معمولی انعامات کا وعدہ کیا ہے۔ ایک مسلمان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ تجارتی تنازعات میں مداخلت کرتے ہوئے مصالحت کا کردار ادا کرے۔

مثال کے طور پر، تاجر چیمبر آف کامرس میں تنازعات کے حل کی کمیٹی قائم کر سکتے ہیں، اور کچھ نے قائم بھی کی ہے۔ بعض مارکیٹوں میں بھی کاروبار کے لین دین کے تنازعات کے لیے ثالثی کرائی جاتی ہے۔ ایسا ہر مسلمان ثالث اللہ کے ساتھ عہد کے تحت انعام کا حقدار ہے۔

بین الاقوامی تاجران اس مسئلے کو تسلیم شدہ ثالثی کے اداروں جیسے کہ لندن کورٹ آف آربٹریشن اور انٹرنیشنل چیمبر آف کامرس ثالثی سے رجوع کرتے ہیں۔ تجارتی معاہدے میں ثالثی کا کردار قرآن کی ہدایات پر عمل ہے، اگر یہ اس نیت سے کیا جائے کہ فریقین کے درمیان فساد کو کم کرنے میں مدد ملے گی، تو اس کی جزا کا وعدہ ہے۔ ثالثی یا مفاہمت کی شق اشارہ کرتی ہے کہ تجارتی معاہدے کا فریق غلط فہمیوں کو بڑھا کر فساد یا تنازعہ کی شکل دینے کی طرف مائل

---

[45] ثالث، "ایک غیر جانبدار فیصلہ ساز جسے فریقین کے ذریعے ثالثی کے معاہدے کے لیے براہ راست یا بالواسطہ مقرر کیا جاتا ہے تاکہ فریقین کے تنازعہ کو حل کرنے کے لیے حتمی فیصلہ کیا جا سکے"

[46] النساء:128

نہیں ہے۔

جدید عدالتیں قانونی چارہ جوئی کرنے والوں کو متبادل غیر رسمی ثالثی کی طرف مائل کرنے کے لیے ادارہ جاتی کوششیں کر رہی ہیں۔ قرآن نے ریاستوں کے درمیان تنازعات کے حل کی بھی سفارش کی ہے۔اس طرح، عالمی سطح پر کوئی بھی انتظامی اور عدالتی فورم کسی بھی تنازعہ کے فریق کے لیے ترجیحی آپشن ہونا چاہیے تاکہ کسی بھی تنازعہ کو بڑھنے سے روکا جاسکے۔

اللہ نے غلط فہمیوں یا جھگڑوں کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تنازعات کے متبادل حل کی بات کی ہے۔ ثالثوں یا مصالحت کاروں کی تقرری کا طریقہ کار جو قرآن میں دیا گیا ہے وہ تقریباً ہم آہنگ ہے عہد حاضر کے مصالحتی اداروں کے رائج منہج سے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینۃ میں کئی قبائلی تنازعات کو حل کیا تھا۔

اللہ نے براہ راست ہر رضاکارانہ ثالث کے ساتھ اجر وانعام کا وعدہ غالباً اس لیے کیا ہے کہ وہ اپنی بنائی ہوئی مخلوق کو آپس میں لڑتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے۔ لڑائی کے ساتھ تعلقات کی خرابی، بغض وغیرہ اللہ کی مخلوق کی صلاحیتوں کو اور آگے بڑھنے کے جذبے کو دیمک کی طرح کھا جاتا ہے۔ اور یوں اللہ تعالی کا دعوی کہ اس کی بہترین مخلوق نسل در نسل ترقی کرے گی، میں رخنہ آتا ہے۔ اور ابلیس یہی چاہتا ہے کہ نسل انسانی کی صلاحیتوں کو کسی طرح لڑائیوں کا شکار کر کے کند کر دیا جائے اور وہ ترقی ہی نہ کر پائے، اور یوں ابلیس کا اعتراض کہ انسان دنیا میں فساد کا باعث ہوگا، کے درست ہونے کے امکانات بڑھ جائیں۔ اس دعوے کو شکست دینے کے لیے اللہ تعالی ہر رضاکار ثالث سے معاہدہ کرتے ہیں کہ وہ دو لوگوں میں پیدا ہونے والے جھگڑے کو ختم کرے۔

# عمل صالح کی صلاح دینے کا معاہدہ

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی برادری کے لوگوں، دوستوں، ساتھیوں، رشتہ داروں، اور جہاں وہ رہتے ہیں یا کام کرتے ہیں انہیں 'اچھے کام' کرنے کی نصیحت کریں، انہیں صحیح کام کرنے کی ترغیب دیں، جو عمل صالح (نیک اعمال) کریں گے انہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ نقصان میں نہیں ہوں گے [47]۔ یہ حکم ایک نامزد اتھارٹی (حکمران) کی اطاعت کرنے سے مختلف ہے، جو اطاعت کو یقینی بنانے کے لیے طاقت کا استعمال کر سکتا ہے، البتہ اِس معاہدے میں طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں ہے، صرف قائل کرنے کی ہے۔

اس معاہدے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے پیچھے دوڑیں اور انہیں طعنے ماریں یا پریشان کریں۔اس میں ڈرانے دھمکانے کا عنصر نہیں ہوگا [48]۔ مسلمانوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ باہمی اصلاح کریں اور ایک دوسرے کو "سیدھے رستے پر چلنے" کے لیے تقویت دیتے رہیں گے۔

قرآن جدید قوانین سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس نے اپنی زبان میں ایسی قابل ذکر لچک برقرار رکھی ہے کہ یہ جدید دور کے قواعد سے آسانی سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب یہ اعمال صالحہ کے بارے میں بات کرتا ہے، تو یہ درحقیقت ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں ایسے اعمال شامل ہوں گے جنہیں، (کچھ استثناء کو چھوڑ کر) جدید معاشرے میں بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ [49] ان جدید اعمال صالحہ کو پرانے دلائل یا قیاس آرائیوں کے ذریعے ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اب کئی سو سالہ انسانی تہذیب میں یہ ادوار مشترک اور

---

[47] العصر:3

[48] النحل:125

[49] النساء:57

واضح ہیں۔ مثلاً عمل صالح یہ ہے کہ غلط بیانی نہ کی جائے، اپنے آپ کو اور دوسروں کو بھی فراڈ، دھوکہ دہی، چوری اور ڈاکے سے روکا جائے۔ غور کیجیے یہ سب قرآن و سنت کی روشنی میں ممنوعہ باتیں اب ممالک کے ضابطہ فوجداری میں جرائم کی فہرست میں براہ راست شامل ہیں۔ اور اس معاملے میں ہر ملک میں بنائے گئے قوانین کی طرف رجوع کرنا چاہیے جن میں اچھائی اور برائی کی نشاندہی کی ہوتی ہے۔

جدید ریاست میں بنے ہوئے قوانین اب استعارہ ہیں کہ معاشرہ کن چیزوں کو عمل صالح کے طور پر دیکھتا ہے۔ لہذا ہمیں اللہ تعالی نے پابند کیا ہے کہ دوسروں کو گناہ یا جرائم کرنے سے روکنے کی صلاح دیتے رہیں۔ یہی نیک عمل کی تاکید ہے۔ دوسرے لفظوں میں مروجہ قوانین کی اطاعت بھی عمل صالح کی اصلاح کے معاہدے کا حصہ ہے۔

یاد رہے کہ کچھ قوانین جو قرآن و سنت کے منافی ہیں وہ اس بحث سے ظاہر ہے کہ مبرا ہیں۔ اور یہ انتہائی کم تعداد میں ہیں۔

# عمل صالح کا عہد

پچھلے حصے میں، ہم نے دوسروں کو اچھے کام کرنے کی نصیحت کرنے کے عہد پر بات کی تھی۔ یہاں، ہم اچھے اعمال یا عمل صالحہ کے عہد پر کلام کرتے ہیں جو ہر مسلمان کو انفرادی طور پر انجام دینا ہے۔ قرآن مجید میں اس عہد کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے، اور ایسا کرنے والوں کو اجر کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔[50] یہ اللہ کی طرف سے تحریری طور پر کیا گیا وعدہ ہے اور اسے عہد اللہ کہا جاتا ہے [51]۔ اچھے اعمال قیامت کے دن ضائع نہیں ہوں گے، کیونکہ ایسے ہر شخص کو اجر دینے کی ذمہ داری اللہ خود لیتا ہے۔[52]

یہ معاہدہ بھی اللہ نے براہ راست ہر ایک مسلمان کے ساتھ کیا ہے۔ یعنی جب میں اور آپ کوئی عمل صالح کرتے ہیں تو گویا اس کے حکم کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس کیے گئے معاہدے کی بھی تکمیل کر رہے ہیں۔ اب خاطر جمع رکھیے، آپ نے اللہ کو پابند کر لیا کہ وہ آپ کو انعام اور اجر سے نوازے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔

---

[50] المائدہ:9

[51] المائدہ:9

[52] العصر:3

## احترامِ آدمیت کا عہد

اگر ہم کسی ساتھی انسان کو عزت یا احترام دیتے ہیں، تو اللہ نے ایک عہد کیا ہے جس کے تحت وہ اس طرح کے سلوک کو یقینی بنانے والے کے لیے اجر کا وعدہ کرتا ہے[53]۔ وقار کو قائم رکھنے یا عزت دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی دوسرے شخص کو صرف 'سر' یا 'میڈم' کہا جائے یا کوئی اور اعلیٰ القاب دیے جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی ذات اور اس کے جسم کا احترام کیا جائے اور کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے اسے کوئی نقصان پہنچے، نیز ان کے جذبات کا احترام کیا جائے اور ایسا سلوک کیا جائے جو اللہ کی بہترین مخلوق شایان شان ہو۔ ہر انسان، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، جس فرقے سے تعلق رکھتا ہو، جس نسل سے آیا ہو، اور جس علاقے سے آیا ہو، وہ مکمل احترام کا حقدار ہے، کیونکہ قرآن خود ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مجرم یا قیدی کی عزت کو بھی قائم رکھنا پڑتا ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندومت جیسے کچھ مذاہب میں، امتیازی سلوک کو قبول کیا گیا ہے۔ اگر ایک برہمن اپنے ساتھی شودر کو حقیر سمجھے گا، تو اس کے برعکس اللہ اور قرآن کا ماننے والا، دونوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرے گا۔ اسی طرح ایک مسلمان کے لیے مسیحی اور یہودی احترام میں برابر ہیں۔ یہی قرآن کی تعلیم ہے۔

وقار اور احترام کے وصف کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں[54] ہر انسان کے لیے ایک حق کے طور پر عطا کیا ہے[55] اس کی وجہ سادہ ہے کہ انسان اس کی تخلیق ہیں۔ بین الاقوامی انسانی حقوق کے

[53] الحجرات: 12-11
[54] بنی اسرائیل: 70
[55] الرحمان: 3، الحجر: 29-28

قوانین[56] وقار کے حق کو ایک بنیادی حق کے طور پر دیکھتے ہیں[57]۔ کس قدر اعلی ظرفی کی بات ہے کہ ہم اللہ تعالی کے احکام کو کوئی مرتبہ بے فکری اور غیر سنجیدگی سے لیتے ہیں، مگر اللہ تعالی ہماری گستاخیوں کے باوجود ہم میں ہر ایک کی ذات کے وقار کے بارے میں اس قدر حساس ہیں۔ انسان کی عزت خالق کو بہت عزیز ہے۔ لہٰذا کوئی بھی ایسا عمل یا واقعہ جس کا نتیجہ اس وقار کو ٹھیس پہنچانے والا ہو وہ اسے قطعی ناپسند ہے۔ اللہ تقریباً ان تمام کاموں کو ناپسندیدہ قرار دیتا ہے جو کسی کی ظاہری شکل، سماجی حیثیت، زبان اور نقطہ نظر کا مذاق اڑاتے ہوں[58]۔ یہاں تک کہ، ایک مسلمان کو اپنے ساتھی کافر کی توہین کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کسی کا مذاق اڑانا اور یہاں تک کہ طنزیہ قہقہہ لگانا جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہو، اور اس جیسی اور حرکتیں، قرآن بہت سارے الفاظ میں واضح طور پر اس کی ممانعت کرتا ہے۔[59] یہ بات سمجھنی چاہیے کہ تخلیق کا مذاق درحقیقت دراصل خالق کا بالواسطہ مذاق اڑانا ہے۔

اللہ کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہے،[60] اور وہ کہتا ہے، کسی کے بارے اندازے نہ لگائیں، نہ رائے زنی کریں، نہ اسے برے ناموں سے پکاریں[61]، کیونکہ وہ آپ سے بہتر ہو سکتے ہیں، اور وہ ہمیں غیر ضروری تجسس سے بھی منع کرتا ہے۔[62]

یہاں تک کہ قرآن اس چیز کا احاطہ کرتا ہے جسے آج کل ''غیر مہذب'' یا incivility کہا جاتا

---

[56] Universal Declaration of Human Rights, 1948; International Covenant on Civil and Political Rights, 1966.

[57] ''تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور وقار اور حقوق میں برابر ہیں۔ ان کے پاس عقل اور ضمیر ہے اور انہیں بھائی چارے کے جذبے سے ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیے۔ آرٹیکل 1، انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ، 1948۔

[58] الحجرات: 11

[59] الحجرات: 11

[60] الحجرات: 11

[61] الحجرات: 11

[62] الحجرات: 12

ہے۔[63] یعنی ایسی حرکات جو جرائم تو نہیں ہوتیں لیکن کسی اور کو بے وجہ بے چین کرتی ہیں۔ قرآن میں فرد کو ذاتی اسپیس یا پرائیویسی دینے کی بات کی گئی ہے، کچھ براہ راست اور کچھ بالواسطہ، مثلاً نظریں نیچے کرنے کا حکم ہے[64]،اور اس میں غیر ضروری طور پر کسی کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرنا بھی شامل ہے۔ رازداری اور ذاتی اسپیس کا احترام قرآن میں تہذیب اور اخلاقیات کا حصہ ہے۔ 'غیر مہذب' افعال، جرم کے مقابلے میں کم شدت کے حامل ہو سکتے ہیں، لیکن وہ بہر حال تکلیف یا پریشانی کا باعث بن سکتے ہیں، اور بدسلوکی اور تناؤ کا سبب بن سکتے ہیں، یہ رویہ بعض اوقات بدتمیزی کی شکل اختیار کر لیتا ہے یا اس میں بزرگوں کا احترام ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ بعض اوقات اس میں کام کی جگہوں کے اخلاقیات (workplace norms)[65] کی بھی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ ملازمت والی جگہ پر بھی ایک دوسرے کا احترام، بھی انسانی احترام کے معاہدے کا حصہ تصور ہو گا۔

---

[63] النساء:148

[64] النور:31-30

[65] کام کی جگہ سے متعلق اخلاقیات کی خلاف ورزی، سے مراد ایسا رویہ یا بدتمیزی ہے جو کام کی جگہ کے اندر ہوتا ہے۔ یہ ساتھیوں کو نظر انداز کرنے یا تضحیک آمیز تبصرے کرنے جیسی لطیف شکلوں سے لے کر چیخنے چلانے، غنڈہ گردی کرنے یا ہراساں کرنے جیسے طرز عمل کو شامل ہو سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ملازمت میں اطمینان میں کمی، تناؤ میں اضافہ، اور ملازمین میں پیداواری صلاحیت میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔

## حقوق العباد کے معاہدے

قرآنی عہد کو قبول کرنے کے بعد، مسلمانوں کو یوں تو تمام لوگوں کی عزت کرنی ہے یا اچھے کاموں کی تلقین کرنی ہے اور خود بھی عمل صالح کرنے ہیں، مگر اس کے علاوہ ایک عہد حقوق العباد کے بارے میں ہے، یعنی لوگوں کے بارے میں کئی چیزوں کا لحاظ رکھنا اور ان سے احسن عمل روا رکھنا[66]۔ اپنے آس پاس کے لوگوں سے بہترین سلوک کا مظاہرہ کریں اور جس کے لیے اللہ نے انعامات کی یقین دہانی کرائی ہے۔ اس کو ہم حقوق العباد کے معاہدات کے طور پر شناخت کرتے ہیں۔ چونکہ ان سب کا تعلق ساتھی انسانوں سے ہے، اس لیے مناسب ہے کہ اس پر مختصر اً بات کی جائے۔

مجاز اعمال کی اس فہرست میں سچ بولنا، دوسروں کو بدنام نہ کرنا، غصہ نہ کرنا، اپنے معاملات میں شفاف ہونا، نرمی سے بات کرنا، والدین کی خدمت کرنا، معاہدوں کی خلاف ورزی نہ کرنا، کمزوروں کی جائیداد پر قبضہ نہ کرنا، یتیموں کے ساتھ ترجیحی سلوک کرنا شامل ہیں۔ کسی بھی تنازعہ میں صلح کی کوشش کرنا، غیبت نہ کرنا، غریبوں کو کھانا کھلانا، لاپرواہی سے خرچ نہ کرنا، صدقہ دینے کے بعد شیخی نہ مارنا، مہمان نواز ہونا، بے ایمان کو مسلمان بننے پر مجبور نہ کرنا، زیادتی نہ کرنا، ملازمین پر ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا۔ بخیل نہ ہونا، قتل کا ارتکاب نہ کرنا، وغیرہ۔ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام مذاہب کے لوگوں کے ساتھ انصاف سے کام لے[67]۔ نیز، مسلمان سے ضروری ہے کہ وہ مختلف مذاہب والوں کی توہین نہ کرے تاکہ وہ کسی کو اپنے خدا کی توہین پر اکسانے کا باعث نہ بنے۔[68] ایک اور ذیلی عہد یہ ہے کہ ہر

---

[66] الحجرات:12، لقمان:19، التوبہ:6، النساء:36، 29، آل عمران:134، البقرہ:280

[67] الممتحنہ:8

[68] الانعام:108

ایک کے ساتھ انصاف کیا جائے، چاہے وہ بندہ بالواسطہ یا بالواسطہ اس کے انتظامی کنٹرول میں ہے یا نہیں[69]۔ بعض علماء نے انہیں احکام القرآن یا اخلاقیات کہا ہے۔ چند سو سال پہلے ان چیزوں کو یقیناً محض اخلاقی اصولوں کا درجہ حاصل ہو گا لیکن عصر حاضر میں مجموعی طور پر ان میں سے زیادہ تر 'اخلاقی اصول' جدید قوانین میں شامل ہو چکے ہیں۔ جیسے کہ قرآن میں کسی کا مذاق نہ اڑانا ایک اخلاقی ذمہ داری کے طور پر لیا جاتا رہا، لیکن اب defamation کے قوانین نے اس کو قابل عمل قانون بنا دیا ہے۔ اسی طرح کسی کے بارے میں افواہ سازی ایک اخلاقی قدر کو آج ملکوں کے قوانین جیسے freedom of information سے متعلقہ قوانین میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ دنیا بھر کے ممالک میں ٹی وی چینلز، ریڈیو چینلز کے لائسنس کی شقوں میں یہ شرط عائد کی جاتی ہے کہ تحقیق کے بغیر خبر نشر کرنا جرم ہو گا۔ ریڈیو یا چینل کی نشریات کو بند بھی کیا جا سکتا ہے۔ حقوق العباد کے معاہدے کے حوالے سے حضور پاک ﷺ کی ایک انتہائی خوبصورت حدیث میں حیران کر دینے والے اختصار کے ساتھ تمام جدید قوانین میں لکھی گئی ممانعت اور اخلاقی بے راہ روی کو سمو دیا ہے، یہ کہتے ہوئے کہ: مؤمن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔

---

[69] النساء:135

## مسیحیوں اور یہود سے متعلق قرآنی معاہدے

قرآن اکثر بائبل، تورات اور اس میں مذکور عہد ناموں کا حوالہ دیتا ہے[70]۔ جبکہ یہودی اور عیسائی، یہ تاثر رکھتے ہیں کہ بائبل اور تورات وغیرہ میں دیے معاہدوں کے پیش نظر انہیں اب نہ کسی مزید نبی کو ماننا ہے اور نہ ہی کسی اور اللہ کی الہامی کتاب کو۔ ظاہر ہے کہ یہ نقطہ نظر انتہائی غلط فہمی پر مبنی ہے، اور قرآن کا نزول در حقیقت ان گزرے ہوئے معاہدوں میں شامل ہو جانے والی غلط فہمیوں کی واضح طور پر اصلاح کرتا ہے۔ یہ بھی وضاحت ضروری ہے کہ بطور مسلمان ہم نے یہ تسلیم کرنا ہے کہ بائبل بھی اللہ کا پیغام ہے اور اسی طرح تورات بھی حق ہے، اور وہ عہد نامے جو ان کتابوں میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے موجود ہیں ان پر بھی ایمان لانا لازمی ہے۔ قرآن اللہ کے ان پیغامات کا ایک تسلسل ہے[71]

اس لحاظ سے، قرآن بھی بائبل اور دیگر آسمانی کتابوں کے نزول کی تصدیق کرتا ہے۔ تاہم، یہ اس میں موجود تمام مواد کی درستگی کی توثیق نہیں کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے بائبل کے کچھ مواد کا حوالہ دیا ہے کہ اس میں تحریف واقع ہوئی ہے، اس لیے قرآن نے اپنے تئیں وہ غلطیاں درست کر دی ہیں جو وقت کے ساتھ بائبل کے متن میں آ گئی ہیں۔ جس طرح نیا آنے والا قانون پرانے قوانین کی غلط یا متروک شقوں کو مسترد کرتا ہے یا درست کرتا ہے، تو اسی طرح آسمانی صحائف ایک دوسرے کو غلطی کی حد تک منسوخ کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کا معاملہ ہے۔ سب سے بڑی غلطی جس کی یہ اصلاح کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ یوں قرآن غلط عقائد کی درستگی کرنے والا ایک corrigendum نما دستاویز بھی ہے۔

---

[70] Seyyed Hossein Nasr, The Study Quran: A New Translation and Commentary (New York: HarperOne, An Imprint of HarperCollins Publishers, 2017). Joseph Lumbard, The Quranic View of Sacred History and Other Religions.

[71] البقرہ:97, 98

اس لحاظ سے قرآن موجودہ مسیحیوں اور یہودیوں کو بھی اپنے سامعین کے طور پر لیتا ہے۔ قرآنی عہد، موجودہ شکل میں، بائبل اور دیگر الہامی صحیفوں کے لیے اصلاح کے طور پر کام کرتا ہے۔ جس طرح آسمانی صحائف دوسرے کے بعد پہلے کو منسوخ کرتے ہیں اسی طرح قرآن کا معاملہ ہے۔ یہ واضح کرتا ہے کہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے، جیسا کہ خاص طور پر مسیحیوں نے غلط تصور کر لیا ہے۔[72]

---

[72] الاخلاص: 1-4

# باب چہارم:

# وسیع تر معاہدے

اس حصے میں، ہم وقت کے لا متناہی سلسلے اور سر گرمیوں کے دائرہ کار، اور موضوع کے لحاظ سے ذرا بڑے پیمانے پر کیے گئے کچھ معاہدوں پر تبادلہ خیال کریں گے۔اوپر زیر بحث آنے والے بیشتر معاہدوں کی طرح، یہ بھی قرآن کے متن سے ہی اخذ کیے گئے ہیں۔اگرچہ ان میں سے کچھ قرآن کے نزول سے کچھ پہلے وجود میں آ چکے تھے۔

# کائنات چلانے کا عہد

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنی جانب سے خود اپنے ہی ساتھ کئی عہد اور اعلان کیے ہیں۔ ان کو آج کے قوانین کی زبان میں بہ آسانی unilateral declarations کہا جاسکتا ہے۔ یہ مختلف شکلوں میں کیے گئے ہیں۔ کچھ علان ہیں، کچھ وعدے ہیں کچھ وارنٹی ہیں اور کچھ پیمان ہیں (represention) یعنی اللہ تعالی اپنی طاقت، حاکمیت، بلند مرتبے اور وقار کے بارے میں دعوی کرتے بارہا قرآن میں نظر آتے ہیں۔ یہ یکطرفہ اعلانات درست ہیں اور ایمان لانے والوں کو تقویت دیتے ہیں کہ ان کا تعلق ایک بہت ہی اعلی اور بزرگ ہستی سے ہے۔ ویسے تو یہ بے شمار ہیں مگر ہم مثال کے طور پر، اس میں سے ایک اہم عہد کا ذکر کرتے ہیں، جس کے توسط سے اللہ نے اس مادی دنیا اور اس کے اندر موجود ہر چیز بشمول ستارے، چاند، سورج، سیاروں اور آسمانوں کو تخلیق کیا ہے [1]۔ اسی عہد کے تابع انہوں نے زمین اور آسمان کے درمیان ہر چیز کو پیدا کیا ہے [2]۔ ان چیزوں کا ڈیزائن اور کردار بھی متعین کیا۔ [3] مثال کے طور پر، زمین پر زندگی سورج کی روشنی پر منحصر کردی۔ اسی طرح انہوں نے اسی عہد کے نیچے دوسری کہکشاں کو زمین یا سورج سے ٹکرانے سے روک رکھا ہے۔ ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں کا مداری انتظام کوئی چھوٹا کارنامہ نہیں ہے۔ [4] سوال ہو سکتا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق بنیادی طور پر اللہ کا فیصلے کے طور پر دیکھی جاتی ہے، تو اس طرح کے فیصلے کو عہد کیسے ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ یہ 'فیصلہ' یوں ایک عہد بن جاتا ہے کیونکہ اسے ایک خاص وقت (یعنی قیامت تک) منسوخ یا تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ [5] لہذا یہ فیصلہ ایک وقت متعین کے ساتھ جڑ گیا ہے۔ مستقبل میں ہونے والے واقعے (قیامت) کی وجہ سے اس ناقابل واپسی فیصلے کو اللہ کی طرف سے یکطرفہ عہد اور اس یقین دہانی کا اعلان بنادیتا ہے۔

---

[1] الاعراف: 95-97

[2] طہ: 6

[3] الدخان: 38-39

[4] المؤمن: 58

[5] الروم: 8، العنکبوت: 53

## انسانوں کی روحوں کے ساتھ اللہ کا معاہدہ (عہد الست)

یہ عہد، جو قرآن میں دستاویزی شکل میں ہے اور کافی معروف ہے، ایک ایسا عہد ہے جو اللہ اور پوری بنی نوع انسان کی ارواح کے درمیان خالق کی حیثیت سے اور اس کے پیغام پر عمل کرنے کے لیے روحوں کے ساتھ کیا گیا۔[6] یہ معاہدہ الست ہے۔

اس معاہدے کو کرتے ہوئے اللہ نے پوری نسل انسانی کی روحوں کو مخاطب بنایا تھا[7]۔ یہ بھی ہم میں سے ایک ایک روح کا اللہ سے براہ راست الگ الگ معاہدہ ہے۔ روحوں کو بظاہر شعور تھا، اور ان کی سوچنے کی صلاحیت اس قابل تھی کہ وہ اللہ کے اس سوال کا جواب دے سکیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمام روحوں نے گواہی دی کہ "اللہ ہمارا رب ہے۔" علماء اس بات پر منقسم ہیں کہ آیا روحیں آزاد مرضی کی حامل تھیں یا نہیں۔ اللہ چونکہ انصاف کرنے والا ہے، لہذا اس نے اسی لیے اس عہد کیا ہوگا کہ سامنے والی روحیں اس کی اہل ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہمیں یہ واقعہ یاد نہیں ہے۔ 'الست 'کا عہد ہم سب کے اندر چھپے ہوئے خالق کی یاددہانی ہے اور ہم سب کے اندر ایک مہر ثبت کی گئی تھی، تاکہ ہم زمین پر خود شناسی کے ذریعے اسے دریافت کرسکیں۔

اس بات سے قطع نظر کہ ہم کس طرف سفر کرتے ہیں، ہمیں کون چلاتا ہے، یا ہمیں کہاں لے جایا جاتا ہے، کس کے ساتھ چلتے ہیں، ہم اپنے اندر بہرحال الست کی مہر کو لے کر چلتے ہیں جو ہمارے اندر، ہمارے دلوں یا روحوں میں کہیں گہرائی میں کھدی ہوئی اور چھپی ہوئی ہے۔[8]

---

[6] الاعراف:172

[7] الاعراف:172

[8] 5 Shahran, Mohd Farid Mohd. "Primordial Covenant as the Basis of Religion: The Qur'ānic Mīthāq of Alastu According to Syed Muhammad Naquib Al-Attas." TAFHIM: IKIM Journal of Islam and the Contemporary World 15:1 (2022).
Al-Qadi, Wadad Kadi. "The Primordial Covenant and Human History in the

وحی اور رسولوں کو بھیجنے کا مقصد اس نقش کی بیداری ہے اور تمام لوگوں کو یاد دلانا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ عہد کی پاسداری کریں۔[9]

Qur'ān." Proceedings of the American Philosophical Society (2003): 332-338.

[9] Joseph Lumbard's article The Qur'anic View of Sacred History and Other Religions in, Seyyed Hossein Nasr, The Study Qur'an: A New Translation and Commentary (New York, NY: HarperOne, 2015). pp. 1765-1784.

## ابلیس کے ساتھ عہد

اس عہد کی قرآن میں خوب وضاحت کی گئی ہے۔ خالق نے، کائنات کے لیے اپنی عظیم منصوبہ بندی کے ایک حصے کے طور پر، مٹی سے بنی ایک منفرد نوع تخلیق کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد اس نے آگ اور روشنی سے بنی اپنی تخلیقات (فرشتوں اور جنوں) کے سامنے متعارف کرایا اور دعوی کیا کہ نئی مخلوق اس کی تخلیق کردہ تمام چیزوں میں سب سے زیادہ بہترین ہوگی، اشرف المخلوق اور ذہین تخلیق ہوگی۔ یہ تخلیق زمین پر اس کے نائب کے طور پر کام کرے گی۔ انہیں مزید بتایا کہ یہ تخلیق آزاد سوچ اور آزاد مرضی کی حامل ہوگی جو اسے دیگر تمام تخلیقات سے منفرد بنائے گی۔ اللہ نے اپنے فرشتوں اور جنوں سے فرمایا کہ وہ آدم کے سامنے سجدہ کریں جو پہلے انسان تھے۔ مگر ابلیس نے آدم کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی کیونکہ اس انکار نے ان کی حکمت پر سوالیہ نشان لگا دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ اسے سزا دی جائے، نافرمان ابلیس نے اس کے لیے وقت اور موقع کی درخواست کی کہ وہ اللہ کی سب سے قیمتی مخلوق کو اس کے راستے اور اس کے احکام سے وسوسوں کے ذریعے دور کرے گا[10]۔ اللہ تعالیٰ نے حسب روایت دریا دلی دکھاتے ہوئے اس کی شرائط قبول کرلیں اور ایک معاہدہ وجود میں آگیا۔ اس طرح ابلیس کو قیامت تک کا وقت دیا گیا کہ وہ اللہ کے ماننے والوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے لیے اس نے خیالات اور وسوسوں کے ذریعے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے دماغ میں ان کی عقل اور دلائل کی طاقت کو منفی طریقے سے اللہ سے متعلق بدگمانیاں اور انتشار پیدا کرتا رہے گا۔ مقابلے میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور کتابوں کو بھیجے گا تاکہ لوگوں کو راہ راست پر لایا جائے، جب کہ ابلیس اس کے برعکس کام کرے گا۔ یہ معاہدہ آج بھی قائم ہے اور ہم سب اس کے دائرہ کار میں موجود رہ کر زندگی گزارتے ہیں۔

---

[10] الحجرات: 36-40

# انسانی نسل کے رزق کا عہد

اس سے پہلے ہم اللہ تعالیٰ کے ایک بڑے عہد کو زیر بحث لائیں، جس کے توسط سے انہوں نے پوری کائنات کو بنایا اور عہد کیا کہ وہ اس کے معاملات چلائیں گے۔ اس حصے میں، ہم اُس عہد کا جائزہ لیں گے جو انہوں نے ان بے شمار مخلوقات میں سے صرف ایک کے ساتھ کیا ہے، یعنی اپنے اور نسل انسانی کے درمیان۔ اللہ نے بنی نوع انسان، یعنی ہم سب کو پیدا کیا اور زمین پر اپنا خلیفہ قرار دیا۔[11]

انہوں نے بنی نوع انسان، یعنی ہم سب سے انفرادی وعدہ کیا کہ وہ ہماری نسل کی پرورش کا اہتمام کریں گے اور زمین پر ہوا، روشنی، خوراک کے تسلسل اور وجود سے ایک سازگار ماحول فراہم کریں گے۔

انسان اللہ کی واحد تخلیق جس کے ساتھ انہوں نے تحریری طور پر اس نوعیت کا اصولی معاہدہ یا عہد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ہر فرد کو رزق کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ، جس نے بے شمار کہکشاؤں کو تخلیق کیا ہے، ان کے مالک ہیں اور ان پر حکومت کرتے ہیں، وہ ہم ذرے کے برابر انسانوں کے ساتھ عہد کرنے کو تیار ہیں۔ ہم جو جسمانی طور پر انتہائی ناتواں اور زمین پر مختصر مدت کے لیے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ نے انسانوں کے لیے رحم اور معافی،[12] مخصوص انعامات[13] عطا کرنے کا، اور ان کے وجود سے انکار کرنے پر اپنی آزاد مرضی کا استعمال کرنے کا بھی وعدہ کیا ہے۔[14] اللہ تنقید کو برداشت کرتے ہیں۔ اللہ انکار کو بھی پورے صبر کے ساتھ

---

[11] یونس:14

[12] الاحزاب:35، الانفال:4-2، المائدہ:9, 39

[13] الاحزاب:35، الانفال:4-2، المائدہ:9

[14] البقرہ:256

برداشت کرتے ہیں اور برسوں انتظار کرتے ہیں، اس امید پر کہ یہ ذرہ بے نشاں کمزور مگر خوود سر اور بے وقوف مخلوق خود ہی ان کے پیغام کو سمجھے گی اور ان کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنا شروع کردے گی۔

نسل در نسل فطرت کی نعمتوں کی درخواست خود انسانوں نے نہیں کی، میں نے اور آپ نے نہیں کی، یہ ہوا، بارش، پودے، حیوانات، خوراک وغیرہ سب ان کی عطا ہیں۔ تاہم، یہ اللہ کی طرف سے غور و فکر کرنے کے لیے انہیں فراہم کیے گئے ہیں کہ انسان ان فوائد سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جن پر ان کی زندگی کا انحصار ہے، اس بات پر سوچیں گے کہ یہ ایک وسیع معاون ماحول اسی ذات نے تو عطا کیا ہے۔[15] توقع یہ ہے کہ انسان جو ان کو نہیں مانتے وہ اللہ کے احسان کو محسوس کریں گے، اور پھر ان کی وحدانیت کو قبول کریں گے اور اس پر ایمان لائیں گے۔

اللہ نے مطالبے کے بغیر ہی انسانوں کو اتنا کچھ دیا ہے کہ اس پر ایمان لانا اس کا حق بن جاتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے بھی سوچنے کا یہی مقام ہے[16]۔ یہاں انہیں عاجز ہو جانا چاہیے اور اس کا شکر گزار بھی۔ اس نے کرہ ارض کو جانوروں اور پرندوں سے آباد کیا ہے جن کو وہ رزق دیتے ہیں۔[17]

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی اعلیٰ ترین مخلوق کے طور پر تخلیق کرنے کا یکطرفہ دعویٰ یا عہد بھی کیا ہے۔[18] قرآن میں یہ دعویٰ اس کے فرشتوں سے خطاب میں شامل ہے۔[19] رائے کی آزادی انسانوں کی خاصیت بتائی گئی، تاکہ وہ معلومات جمع کر سکیں، سن سکیں، سوچ

---

[15] لقمان:20

[16] البقرہ:168

[17] المرسلات:26-25، الحجر:20-19، الھود:6، الانعام:99

[18] التین:4، المؤمنون:14

[19] الاعراف:11، البقرہ:30

سکیں، رائے قائم کر سکیں، خیالات تشکیل دے سکیں اور اس دنیا میں سبقت حاصل کر سکیں۔

نسل انسانی کو برقرار رکھنے کے لیے اس نے تجارت جیسے رزق کے ذرائع کو تلاش کرنے اور استعمال کرنے کے لیے مخصوص مہارتیں اور صلاحیتیں تفویض کی ہیں[20]۔ اللہ تعالی نے انہیں معلوم کائنات کی بہترین نسل قرار دیا، جسے ابلیس غلط ثابت کرنا چاہتا ہے۔[21]

---

[20] الاعراف:10

[21] الاعراف:17

## ملکیت کا عہد

قرآن ایک ایسی دستاویز ہے جو یہ اعلان کرتی ہے کہ زمین اور کائنات کی تمام اشیاء بشمول ہوا، خلاء اور آسمانی اجسام کے، سب کچھ اللہ کی ملکیت ہے۔[22] اس لحاظ سے، قرآن ہمیشہ کے لیے پوری دنیا یا جہانوں کی ملکیت کا اعلانیہ عہد بن جاتا ہے[23] یا سادہ زبان میں کہا جائے تو قرآن اللہ تعالیٰ کے ملکیتی حقوق کی مستند دستاویز بھی ہے۔ وہی ذات خالق اور مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بابت دلائل نہایت باوقار انداز میں اور خوبصورتی کے ساتھ پیش کیے ہیں۔ وہ ایک ایک چیز کا نام نہیں لیتے جو انہوں نے پیدا کی ہے۔ وہ ایک جامع مگر مختصر بیان دیتے ہیں کہ جو کچھ بھی نظر آتا ہے وہ سب اللہ ہی کی تخلیق ہے۔ وہ اپنی تخلیق کردہ چیزوں میں سے صرف چند کا نام لیتے ہیں، صرف مثال دینے کی خاطر جیسے آسمان، ستارے، چاند، سورج، دن، رات وغیرہ۔ بقیہ تمام چیزیں اور اشیاء اس فہرست میں فرض کر لی جائیں گی۔

اس دعوے کا مقابلہ کرنے کے لیے اب تک کوئی سنجیدہ چیلنج سامنے آیا ہی نہیں۔ ہم ایک حقیقت جانتے ہیں کہ پچھلے کئی سو سالوں میں کسی ملک، قوم یا فرد نے آسمانی اجسام یا زمین پر ملکیتی دعویٰ نہیں کیا۔ اس طرح، اللہ کی طرف سے تحریری طور پر کیا جانے والا دعویٰ بدستور قائم رہنے والا غیر متنازعہ دعویٰ ہے۔

---

[22] المؤمنون:64، ابراہیم:33-32

[23] الصافات:5، آل عمران:109

## بھیجنے والے اور وصول کنندہ کا عہد

قرآن اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ ہم سب، نسل انسانی کے رکن ہونے کے ناطے، اس کی پیروی کریں۔ اس لحاظ سے، بھیجنے والا اللہ ہے، اور ہم میں سے ہر ایک وصول کنندہ ہے۔ اس طرح پیغام بھیجنے والے اور اسے وصول کرنے والے کے درمیان ایک معاہدہ قائم ہوتا ہے۔ یہ ایک sender اور reciever یا ایک consignee اور consignor کا تعلق ہے۔

بھیجنے والا اور وصول کنندہ دونوں قانونی رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ در حقیقت وصول کنندہ مخلوق نے قرآن کو وصول کرنے کا فریضہ اپنے اوپر لے لیا ہے حالانکہ باقی تمام مخلوقات تذبذب کا شکار تھیں۔[24]

بھیجنے والا دل کی گہرائیوں سے خواہش کرتا ہے کہ اس کا پیغام ہر وصول کنندہ پڑھے اور سمجھے۔ قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں فرق ہے۔ پڑھنا ایک محدود فعل ہے، جبکہ سمجھنا زندگی بھر کا عمل ہے۔ قرآن کا ہم میں سے ہر ایک کو ذاتی طور پر مطالعہ کرنا چاہیے اور ہمیں اس پر غور و فکر کرنا چاہیے۔ اسے بتدریج نازل کرنے کے پیچھے یہی مقصد تھا کہ یہ آہستہ آہستہ سمجھ آتا جائے۔ یہ شاید اس لحاظ سے ایک بہت ہی نایاب کتاب ہے کہ اس کا مرکزی متن اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ اسے وقفے کے ساتھ پڑھا جائے، نہ کہ ایک ہی وقت میں۔ قاری کے پاس شعور کا ایک محدود سلسلہ ہے، جبکہ اس کے متعدد معانی کی وسعت کو جذب کرنے کے لیے وقفے درکار ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد پیغام کی ترسیل کا ایک اور مرحلہ شروع ہوا جس کا تعلق نسل انسانی کے تمام افراد کو، چاہے وہ نزدیک ہوں یا دور، تک پہنچانے سے ہے۔

---

[24] البقرہ:185

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور پیروکاروں نے قرآن کے متن کو بتدریج پھیلانے کے لیے مختلف طریقوں کو اپنایا۔ بعض اوقات، اسے گھوڑے کی پیٹھ پر فارس لے جایا جاتا تھا، مسلمان علماء نے اسے موجودہ لبنان تک پہنچایا تھا، تاجر اسے اپنی کشتیوں میں ہندوستان اور انڈونیشیا تک لے گئے۔ اسے بعض اوقات رومی بادشاہوں کو شاہی تحفہ کے طور پر بھیجا جاتا تھا۔ قرآن کا نسخہ دنیا کی متنوع سمتوں تک پہنچا اور یورپ، ویٹیکن اور یہاں تک کہ برصغیر کے آرکائیوز میں اس کے آثار ملتے ہیں۔

مسلم خاندانوں میں پیدا ہونے والے ہم جیسے قرآن کے جانشینوں کو اس بات سے آگاہ ہونے کی ضرورت ہے کہ اللہ کا کلام ہمارے گھروں تک پہنچ گیا ہے۔ اس لیے اس کی تلاوت اور مطالعہ سب پر لازمی ہے، چاہے ہر روز چند آیات کیوں نہ ہوں۔ اس طرح اسے مکمل کرنے میں چند ماہ سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اسے بھیجنے والے ہم سے یہی چاہتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک بھیجے گئے پیغام کے مندرجات کو پڑھتا اور سمجھ سکتا ہے، اور اس کے بعد، یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اس پر کتنا یقین کرنا چاہتے ہیں یا اس پر کتنا عمل کرنا چاہتے ہیں۔

## ریگولیٹر کا عہد

اللہ تعالی نے انسانوں کے لیے قرآن کو ایک ضابطہ حیات اور دین کہا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کو ایک ریگولیٹر کے عہد کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ہمیں اپنے وقت، توانائی اور وسائل کو بے معنی فضول خرچی سے استعمال کرنے سے روکتا ہے اور اس کے بجائے ان کو مفید مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ جیسے کہ رشتہ داروں، ضرورت مندوں، پڑوسیوں اور مسافروں کے فائدے کے لیے[25]۔ قرآن بے شمار چیزوں سے منع کرتا ہے اور رب بے شمار اعمال پر قدغنیں لگاتا ہے اور کہنے والے اعتراض کر سکتے ہیں کہ انسان مکمل آزاد پیدا ہوا، لہذا اس کی مرضی وہ جو کرنا چاہیے، کرے۔ بات دراصل یہ ہے کہ مکمل آزادی کا حق تو آج کے کسی بھی جدید ملک کا آئین یا قوانین بھی نہیں دیتے۔ قانون کے تحت چلنے والے کسی بھی عصری معاشرے میں مکمل آزادی کی اجازت نہیں ہے[26]۔ معاشرے کے مجموعی نظم وضبط کے لیے نقل و حرکت اور اظہار پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ ان پابندیوں کو اور قانونی رکاوٹوں کو جیسے سفر کے لیے ویزے کی پابندی، گاڑی چلانے کے لیے لائسنس کی پابندی، علاج کے لیے ڈگری کی پابندی، شناختی کارڈ بنوانے کی پابندی، اور دیگر قدغنیں، ہر معاشرے میں موجود ہیں۔ ہم انہیں بخوشی قبول کرتے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ اکثر ریگولیٹر اتھارٹیز مختلف سیکٹرز اور انڈسٹریز کو ریگولیٹ کرنے کے لیے انہیں کئی قسم کے کاموں، مختلف نوعیت کے پراجیکٹ اور کاروبار سے روک دیتی ہیں۔ اور اس کی وجہ عوام کی عمومی فلاح ہوتی ہے۔ اسی طرح، اسی پس منظر میں ہمیں قرآن کی آیات کی پابندیوں کو بھی ایک ریگولیٹر کی لائسنسن کی شقوں کے طور پر دیکھنا چاہیے، جن پر عمل پورے نظام اور معاشرے کے لیے بہترین نتائج کا حامل ہے۔

---

[25] النساء: 36

[26] عالمی معاہدہ برائے سول و سیاسی حقوق: ''کسی بھی پابندی کے تابع نہ ہوں سوائے ان کے جو قانون کے ذریعہ فراہم کی گئی ہیں، جو قومی سلامتی، امن عامہ، صحت عامہ یا اخلاقیات یا دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں اور تسلیم شدہ دیگر حقوق سے مطابقت رکھتی ہیں۔"

## پیغمبروں کے وقار کا عہد

جس طرح آج کے دور میں ایک ایلچی یا سفیر توہین، جبر اور قانونی چارہ جوئی سے استثنیٰ حاصل کرتا ہے[27]، اس مروجہ بین الاقوامی قانون کے ضابطے سے ہمیں باآسانی سمجھ آسکتی ہے کہ کیوں اللہ تعالی کے نزدیک اپنے معزز ایلچی اور انبیاء کرام کی عزت اہم ہے، اور کیونکر ان کی عزت و تکریم ناقابل تسخیر ہے۔ اگر ان کی توہین یا بے توقیری کی جاتی ہے تو اسے ایک سنگین غلطی کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ ایک عہد ہے جس کا اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ہے، اور متعدد مثالوں اور واقعات کے ذریعے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ کے عذاب قوموں یا قبائل پر اس لیے آئے کہ وہ اس کے پیغمبروں اور فرشتوں کی بے عزتی اور بے توقیری کرتے تھے[28]۔ اللہ کے تمام انبیاء پر ایمان ایک لازمی جزو ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالی اپنے نمائندوں کو بہت زیادہ عزت دیتے ہیں، اگرچہ وہ انسان تھے، اور وہ صرف پیغام پہنچانے والے تھے۔ تاہم، وہ وحی کے سلسلے میں ایک اہم کڑی ہیں۔ وہ اللہ پاک کے ایلچی ہیں[29]، اور ہر ایلچی کی حیثیت تسلیم کیے جانے اور اسے استثنیٰ، دونوں کا حقدار ہوتا ہے۔[30] مثال کے طور پر، قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات کو ٹھیس پہنچاتے ہیں ان کو اس دنیا میں سزا دی جائے گی۔ اس کے بعد قرآن اللہ کے ایلچیوں کے خلاف لوگوں کے طنزیہ لطائف اور فقروں پر بھی بات کرتا ہے تاکہ یہ ظاہر کیا جا سکے کہ رسول کے لیے ایسی توہین برداشت کرنا تکلیف دہ تھا۔ اس لیے اللہ کے ایلچی کا مذاق اڑانے والے سزا کے لائق قرار پائے۔ اللہ نہ صرف اس وقت ناراض ہوتے ہیں جب فرشتوں کے وفادار انتظامی گروہ کی توہین کی جاتی ہے یا ان کا

---

[27] Article 31 Vienna Convention on Diplomatic Relations, 1961 and Article 43 Vienna Convention on Consular Relations, 1963.

[28] الکہف:106

[29] الرعد:32

[30] النساء:150-151

مذاق اڑایا جاتا ہے، بلکہ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ جو لوگ اس طرح کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں وہ اپنے رویے اور اس کی انتظامی ٹیم کے خلاف لگائے جانے والے الزامات کے لیے جوابدہ ہوں گے [31]۔ اللہ کے ان قاصدوں کو تسلیم کرنا اور ان کا احترام ایمان کا تقاضا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذرا خاص اہتمام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ان لوگوں کے لیے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا جو براہ راست ان کے ساتھ بد تمیزی کرتے تھے۔ اس طرح جن لوگوں نے آپ ﷺ سے بلند آواز سے بحث کی ان کو تنبیہ کی گئی کہ وہ بلا ضرورت اپنی آواز بلند نہ کریں [32]۔ جو نکتہ واضح کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو اسے اللہ پیغمبروں کا احترام کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

[31] الاحزاب: 57
[32] الحجرات: 2

## ہر پیغمبر کے ساتھ عہد

جیسا کہ ہمیں قرآن میں بتایا گیا کہ اللہ نے ہر نبی، پیغمبر اور رسول کے لیے الگ الگ ہدایات دیں۔ ہر پیغمبر کا زمانہ الگ تھا، حالات و واقعات مختلف تھے۔ لہذا ہر ایک کے ساتھ ہدیات اور احکامات کا الگ الگ معاہدہ کیا گیا۔ یوں یہ تقریبا ایک لاکھ چوبیس ہزار معاہدے ہو جاتے ہیں۔

اللہ کی طرف سے جاری کردہ واضح احکامات ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں جن کے تحت ہر نبی کو اللہ کا پیغام اپنی اپنی قوموں تک پہنچانے کے لیے رسول قرار دیا گیا ہے۔ رسولوں سے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ سب متعلقہ افراد تک پیغام پہنچانے تک محدود رہے، ان کا پیغام کے نتائج اور اثرات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جدید قانون کے اصولوں کے تحت پرنسپل اور نمائندے کے درمیان تعلق اس کی مثال ہے، جس میں نمائندہ پرنسپل کی فراہم کردہ ہدایات کے مطابق معاملات چلانے کا پابند ہے۔ مگر پرنسپل کبھی بھی اسے نتائج کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔ اللہ یہ نہیں چاہتے کہ ان کے سفیروں، نمائندوں یا رسولوں پر اس کے پیغام کی ترسیل سے وابستہ نتائج کی ذاتی ذمہ داری عائد کی جائے۔

## آخری رسول کا عہد

جیسا کہ پہلے زیر بحث آیا، قرآن میں اللہ کی طرف سے کی گئی نمائندگی کو بھی عہد کا درجہ حاصل ہے۔ جب اللہ یہ بیان کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نسل انسانی کی طرف بھیجے گئے آخری رسول ہیں،[33] تو یہ اعلان ایک عہد کا درجہ حاصل کر لیتا ہے کیونکہ اس کی نافرمانی اللہ اور مسلمان کے درمیان بنیادی شق کی خلاف ورزی ہے۔ "وہ آخری رسول ہیں" یہ بہت سنجیدہ بیان ہے۔ اللہ نے مذکورہ عہد کو مزید مضبوط کرتے ہوئے کہا کہ اس کتاب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو مکمل کر دیا ہے۔ پیغام مکمل ہے؛ یہ پیغام رسول پر اتارا گیا، جسے پھر براہ راست کاتبوں نے لکھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آخری نبی ہونے کا اعلان ہو گیا۔ اللہ کی وحدانیت کے پیغام کو عام کرنے کے لیے "اعلان ختم نبوت" ضروری تھا۔ قرآن آخری پیغام ہے جو نسل انسانی کو باضابطہ طور پر پہنچایا گیا ہے۔ اس سے آگے کسی کو اجازت نہیں کہ وہ خود کو اللہ کا رسول کہے۔ یہ اعلان پیغام کو محفوظ بنانے کے لیے بھی ہے۔ اسی لیے یہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے 'خاتم' ہیں[34]۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم کسی خط کے آخر میں یا کسی عمل یا کسی سرکاری دستاویز پر مہر لگاتے ہیں یا لگاتے ہیں، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ (ا) پیغام ختم ہو گیا ہے، (ب) یہ محفوظ ہے، اور (ج) کسی قسم کے اضافے کی اجازت نہیں ہے۔

---

[33] الاحزاب:40

[34] الاحزاب:40

## اللہ کے اعلانات اور ضمانتوں کا عہد

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، پورے قرآن میں اللہ کی طرف سے کی گئی یقین دہانیاں ایسی ہی ہیں جنہیں ہم جدید معاہدہ قانون کے تحت warranties اور representations کہتے ہیں۔ ان اعلانات اور ضمانتوں کو ماننے اور قبول کرنے پر انعامات اور فوائد حاصل ہوں گے۔ قرآن، معاہدوں کی کتاب کے طور پر، اللہ کے وعدوں کے بارے میں ضمانت پر مشتمل ہے کہ وہ ان وعدوں کو پورا کرے گا جو اس نے قرآن میں کیے ہیں۔ قرآن میں اللہ کی صلاحیتوں اور طاقت کا تفصیلی ذکر ہے۔ پورے قرآن میں اللہ کو درجنوں ناموں سے جانا جاتا ہے۔ ان کا ہر نام اس کی صفات اور مجموعی طور پر ان کے ساتھ وابستہ افعال اور طاقتوں کی الگ الگ نمائندگی ہے۔ چند نام یہ ہیں: السمیع، البصیر، الواسع، المحیط، علام الغیوب، الشاکر، البر، التواب، الرؤوف، الولی، المولی، الرب، الخلاق، القدیر، النصیر، الغنی، الحمید، المجید، وغیرہ۔

## روزِ جزا کے وقوع پذیر ہونے کا عہد

قرآن کے ذریعے مسلمانوں اور کافروں دونوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ قیامت کا ایک دن آئے گا، جو اس دنیا میں نسلِ انسانی کے باب کا اختتام کردے گا، اور بالآخر لوگوں کو ہمیشہ کے لیے جنت میں بھیجا جائے گا، یا بد قسمت انجام کاروں کو دوزخ میں۔

قیامت کا دن مستقبل میں کسی وقت آئے گا؟ فی الحال، قرآن کے ذریعے قیامت کے دن کی آمد کا اعلان اللہ کی طرف سے کی گئی representation ہے اور اسی طرح ایک عہد کی دوہری حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا تعلق اس حقیقت سے ہے کہ یہ مرحلہ مستقبل میں کسی وقت وقوع پذیر ہو گا، اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کو اپنے ایمان کا ایک لازمی حصہ سمجھیں اور اپنی زندگی کے دوران اس کے لیے تیاری کریں۔ یہ اللہ کے لیے ایک انتہائی اہم واقعہ ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان اور غیر مسلم اُسے اِسی طرح لیں۔ وہ یومِ حشر کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں اعلان کو ایک اہم عمل سمجھتے ہیں۔ اور ایک واقعہ جس کا وعدہ اس کے تخلیق کردہ انسانوں میں سے ہر ایک سے کیا گیا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یومِ جزا کو بھی یومِ وعدہ کہا گیا ہے[35] یا وہ دن جب اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ یہ اس لیے بھی اہم دن ہے کہ اس روز اللہ تعالی اور ابلیس کے درمیان طے پانے والا معاہدہ جو حضرت آدم کی تخلیق کے وقت ہوا تھا، وہ بھی اپنے اختتام کو پہنچ جائے گا۔

---

[35] الکہف: 99-98، لقمان: 33

# باب پنجم:

# قرآنی معاہدات: اضافی بحث

متعدد معاہدوں پر بحث کرنے کے بعد، چند مزید متعلقہ نکات ایسے ہیں
جو غور طلب ہیں، ہم اس حصے میں ان کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔

## قرآن کے exhibits (یا آیات)

اہم معاہدے یا پیچیدہ مسائل سے متعلق 'master contract' کے ساتھ، بعض اوقات دستاویز کے ساتھ کچھ توضیحی 'ضمیمے' منسلک ہوتے ہیں جن میں تکنیکی تفصیلات شامل ہوتی ہیں جو مرکزی معاہدے کی وسیع شقوں یا دفعات کی وضاحت کرتی ہیں۔ انہیں بعض صورتوں میں[1] (exhibits) یا (annextures) یا اضافی ثبوت کہہ سکتے ہیں،[2] یا آیات بھی کہا جاتا ہے۔ ویسے تو قرآن کی اپنی زبان میں آیت کا مطلب فقرہ یا sentence نہیں ہے، بلکہ نشانی، یا ثبوت یا exhibits ہے۔

جیسا کہ ہم اس تحقیق میں دیکھتے آئے ہیں کہ قرآن ایک اہم معاہدہ ہے جو مسلمان اور غیر مسلم دونوں سے متعلق شرائط کو وسیع پیمانے پر بیان کرتا ہے۔ اس میں اللہ کی طاقتوں کے بارے میں اعلانات بھی شامل ہے۔ مذکورہ دفعات اور نمائندگیوں کی وضاحت اور تائید کے لیے، اللہ تعالیٰ قرآن میں مختلف مقامات پر بعض افراد، مواد اور مخلوقات کا حوالہ دیتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ان کے مالک ہیں، اسی نے ان کے افعال اور صلاحیتوں کو شکل دی ہے اور انہیں تخلیق کیا ہے۔

یہ سب درحقیقت exhibits یا annextures کے طور پر کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی جامع طاقتوں کے بارے میں کیے گئے دعووں اور نمائندگیوں کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں۔ ان ثبوتوں میں سے ہر ایک کا بغور جائزہ لیا جائے کہ ان میں سے ہر ایک کس طرح وجود میں آیا، اس کے بارے میں وسیع تفصیلات، معلومات اور ڈیٹا کا انکشاف

---

[1] خاص طور پہ قانونی کاروائی کے دوران۔

[2] مثال کے طور پر، کسی بڑے تعمیراتی کام کے جدید معاہدے میں، ایک ماسٹر کنٹریکٹ ہو گا جس کے بعد متعدد ضمیمے یا exhibits ہوں گے جن میں ڈیزائن کی تفصیلات، مواد کی تفصیل، خریداری کے امور، وائرنگ ڈرائنگ، اندرونی کام کی تفصیلات اور اس طرح کی دیگر کچھ جزئیات شامل ہوں گی۔

ہوتا ہے۔ ہر ایک کو قرآن میں ایک نشانی یا ثبوت کے طور پر بھی پیش کیا گیا ہے [3]۔ مزید، جیسا کہ جدید قانون کے اصول کے تحت تسلیم کیا گیا ہے، exhibits یا ضمیمہ کے مندرجات کو بنیادی دستاویز کے لازمی جزو کے طور پر تسلیم کیا جانا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات بالکل قابل استدلال ہے کہ جدید دور میں دستیاب ان exhibits کی حقائق پر مبنی تفصیلات کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں قرآن کے معنی کے طور پر پڑھا جانا چاہیے۔ ان exhibits کا ڈیٹا ہر گزرتے دن کے ساتھ مسلسل پھیل رہا ہے کیونکہ زیادہ سے زیادہ تحقیق حیرت انگیز تکنیکی تفصیلات دریافت کرنے میں مدد کر رہی ہے۔

اس مقالے میں ان ضمیموں کی مکمل شناخت اور فہرست بنانا ناممکن ہے، اور ہم اس کام کو مستقبل کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ تاہم، مثال کے لیے، ان آیات یا exhibits یا annextures میں 'انسان'، 'وقت'، 'قرآنی آیات، ''سنت و حدیث، ''مادی چیزیں، ''جاندار مخلوق، ''ستارے اور سیارے، 'وغیرہ شامل ہو سکتے ہیں۔

---

[3] حم السجدۃ:37

## معاہدوں کا نفاذ

اس تحقیق کا مرکزی نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن کو ایک معاہدے کی دستاویز کے طور پر بھی دیکھا اور سراہا جا سکتا ہے جسے مسلمان قبول کرتے ہیں، اور یہ غیر مسلموں کے لیے ایک مستقل پیشکش کے طور پر دستیاب رہتا ہے۔ جدید قانون میں ایک عہد یا رسمی معاہدے کی محدود تعریف کے تحت، ایک عہد کو ترجیحی طور پر کسی بھی طریقہ کار، عدالتی، انتظامی، یا کسی دوسرے طریقے کے ذریعے نافذ کیا جانا چاہیے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کے ان انفرادی مخصوص معاہدوں کے سلسلے میں نفاذ کا کوئی فریم ورک ہے؟ اس کا جواب ہے، جی ہاں، قرآن، ایک مکمل ضابطہ حیات یا اجتماعی زندگی کے لیے ایک آئینی معاہدے کے طور پر، قبول کرنے والے مسلمانوں کے لیے خود کو پیش کرتا ہے۔ اس میں 'رضاکارانہ' عنصر ہے جو شاید قرآن کے نفاذ کا سب سے موثر طریقہ ہے۔ مزید یہ کہ انعام حاصل کرنے کی ترغیب رضاکارانہ جذبے کو مزید فروغ دیتی ہے۔ ایک مسلمان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ معاہدے کی کتاب پر پورے یقین کے ساتھ ایمان لائے، نہ کہ کسی زبردستی کے تحت۔ جب مسلمان قرآن کے تحت اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں، جیسے کہ نماز یا روزہ چھوڑنا، تو انہیں آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ آخرت میں ان کے لیے سزا ہے۔ اس طرح آخرت میں سزا یا عذاب سے بچنے کی خواہش ہر مسلمان کو قرآنی احکام کی تعمیل کرنے پر مزید مجبور کرتی ہے۔ قرآن خود بتاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو معاہدے کی تعظیم کے لیے مختلف نصیحتیں کرتا ہے اور اس سلسلے میں بعض اوقات دنیاوی مصائب کا بھی سامنا کراتا ہے جو ایک انتباہی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا مقصد راست راست کی پگڈنڈی سے اُترے مسلمانوں کو خبردار کرنا ہے تاکہ وہ خود کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو[4]۔

---

[4] الفتح:10، النحل:91، البقرہ:177، البقرہ:27

اللہ تعالی اس بات کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنی آزاد مرضی سے، قرآنی عہد کے اندر دی گئی مختلف ہدایات، جیسے نماز، روزہ، یا صدقہ کی پابندی کرنے کے لیے کتنا تیار ہیں؟ اگر ہمیں ریاست یا پولیس جیسی کسی بیرونی اتھارٹی کی طرف سے نماز پڑھنے پر مجبور کیا جائے تو رضا کارانہ طور پر عہد کو نافذ کرنے کا سارا مرکزی خیال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ پھر غور و فکر، اللہ کی محبت یا اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا نہیں بلکہ دنیاوی اتھارٹی کے خوف کی وجہ ہو گا۔

پولیٹیکل سائنس میں 'قانون' کی روایتی تعریف میں رضاکارانہ عنصر شامل ہوتا ہے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد کی اس کی تعمیل کرتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسی جذبے کے تحت، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے قرآنی عہد کے ذیلی معاہدوں اور اہم دفعات کی تعمیل رضاکارانہ طور پر کی ہے جنہوں نے معاہدے کو قبول کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر معاہدے میں 'نیک نیتی' (good faith) کا عنصر بھی ایک اہم جزو ہوتا ہے۔

مسلمان کے دل میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ کیونکر اللہ جیسی عظیم ہستی کو پابند کرے کہ وہ اس کے ساتھ اپنے عہد کو نافذ کریں۔ اول، قرآنی عہد کے تحت باہمی ذمہ داریاں جو اللہ نے اپنے ذمے قرآنی معاہدے میں لی ہیں بے غیر کسی رکاوٹ کے ادا کی جائیں گی۔ ایک بار جب ہم قرآن کے عہد کو قبول کر لیتے ہیں، تو ہم یقین کے ساتھ اللہ کے کلام کی طاقت کو بھی سمجھتے اور قبول کرتے ہیں۔ تاہم، ہماری طرف سے کسی شک کی صورت میں یا جب ہم یہ سمجھتے ہیں ہم زیادہ کا استحقاق رکھتے ہیں، تو ایسی صورت میں ہمیں یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ ہم براہ راست ان تک رسائی حاصل کریں اور اپنا موقف پیش کریں اور ان سے مانگیں۔ اللہ تعالی نہ صرف اس قرآنی عہد کے ایک فریق ہیں جو اس نے ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ کیا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ عظیم منصف بھی ہیں۔ وہ قیامت کے دن استغاثہ کی نگرانی بھی کریں گے (ایک

دوہرا کردار جیسے جدید ریاستوں میں بھی بعض جج انجام دیتے ہیں)[5]۔اس کے علاوہ، اللہ اپنے وعدوں کے لیے ضامن کا کردار ادا کرتے ہوئے اپنے کلام کی تعظیم کے لیے اپنی رضامندی کو مضبوط کرتے ہیں اور یہ واضح طور پر بتاتے ہیں کہ اللہ تعالی وعدے کو کبھی نہیں توڑتے۔

[5] مثال کے طور پر، سول قانون کے دائرہ اختیار میں سوئٹزرلینڈ کے ججوں کو تفتیش کرنے کا اختیار بھی حاصل ہے۔

## رسی کا عہد

'رسی'(العروۃ الوثقی/ حبل اللہ)[6] اللہ تعالی قرآن مجید میں وضاحتی علامت کا استعمال کرتے ہوئے، مسلمانوں سے مؤثر طریقے سے کہہ رہے ہیں وہ اپنے قرآن معاہدوں پر قائم رہیں کیونکہ یہ اب مومن اور اللہ کے درمیان ایک بندھن میں تبدیل ہو چکا ہے[7]۔ رسی کی مثال کا استعمال بصری سطح پر سب سے گہری اور بامعنی تمثیل ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کو جب قبول کر لیا جائے تو یہ اللہ اور میرے اور آپ کے درمیان ایک براہ راست عہد بن جاتا ہے کیونکہ 'رسی' کا ایک سرا مسلمان کے ہاتھ میں ہے۔ اور دوسرا اللہ کے پاس ہوتا ہے۔[8] مذکورہ تشبیہ قرآنی عہد کے نفاذ کی یقین دہانی کی خصوصیات کو واضح کرتی ہے۔ لہٰذا اہل ایمان کو معاہدے کے نفاذ میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔ یہ 'رسی' کو تھامے ہوئے دو فریقوں کے درمیان براہِ راست رابطوں اور ضابطوں کی نمائندگی بھی کرتا ہے، یہ انسانی فریق کو اپنے خالق کے ساتھ مسلسل تعلق کا یقین دلاتا ہے۔ واضح رہے کہ معاہدے پر عمل درآمد کی وضاحت 'رسی' کی تشبیہ سے بہتر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے لیے آجکل 'نیک نیتی' (good faith) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، اور معاہدوں کے معاملے میں، pacta sunt servanda[9] کی اصطلاح بھی مروج ہے۔

---

[6] قرآن مجید میں اللہ کی رسی کے لیے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ایک مقام پر فرمایا گیا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا، دوسری جگہ وارد ہوا ہے: فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىَ۔

[7] آل عمران:103

[8] سیدنا ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''خوش ہو جاؤ، خوش ہو جاؤ، کیا تم لوگ یہ شہادت نہیں دیتے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں؟'' صحابہ نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ قرآن ایک رسی ہے، اس کا ایک کنارہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے، اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو، کیونکہ اس کے بعد تم ہرگز نہ گمراہ ہو سکتے ہو اور نہ ہلاک۔ صحیح ابن حبان:122

[9] Pacta Sunt Servanda، کا مطلب ہے: "معاہدوں کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔" (St. Paul, MN: Thomson-Reuters, 2004)

قرآن کے ماننے والوں کا آپس میں ایک خاص رشتہ ہوتا ہے۔ یوں، قرآن دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے بین الاقوامی معاہدہ بن جاتا ہے جو اپنے قبول کرنے والوں اور پیروکاروں کو ایک مضبوط جماعت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ہر مسلمان قرآن کی ''رسی'' کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے۔ یاد رہے کہ قرآن کے نزول کے وقت، کسی قبیلے کے پاس آئین یا اس جیسی کوئی تحریری سیاسی دستاویز نہیں تھی کہ وہ بطور قوم جس کے پابند ہوں۔ قرآن ایک ایسا عہد بن گیا جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو 'اہل کتاب' کے طور پر ابھرنے کی بنیاد فراہم کی۔ یہ اصطلاح ایک آئینی حیثیت رکھتی ہے اور قرآن کو ایک ایسے دستاویز کے طور پر پیش کرتی ہے جو کسی قوم کو اس کی علاقائی تقسیم سے قطع نظر، معاہدے کے ساتھ جوڑتی ہے، اور استحکام کو یقینی بناتی ہے۔ آج بھی اگرچہ مسلمان اکیاون ممالک میں بادی النظر میں تقسیم ہیں مگر سب کے مابین قرآن ایک بین الاقوامی، بین القومی معاہدے کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔

## کیا معاہدے اللہ کے اختیارات کو محدود کر سکتے ہیں؟

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی آزادانہ فیصلہ سازی کی طاقت اور صفت ہر حال میں قائم رہتی ہے، چاہے کچھ بھی ہو۔ وہ ایک مکمل خود مختار اتھارٹی ہیں اور یہاں تک طاقت رکھتے ہیں کہ کسی سے بھی کیے گئے معاہدوں کو بھی ختم کردیں۔ اصولی طور پر، یہ معاہدے، کوئی بھی فیصلہ کرنے کے لیے اس کی خود مختار صلاحیت کو محدود نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔ تاہم، وہ مسلمان کے ساتھ اپنے آپ کو مختلف معاہدوں کے حوالے سے اپنی خود مختار طاقت پر کچھ خفیف حدود متعین کرنے کا خود ہی انتخاب کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی مسلمان سخی ہو اور صدقہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے اجر دینے کا اقرار کیا ہے[10]۔ اسی طرح، اگر کوئی مؤمن معافی کا عہد کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو وعدہ معاف کرنے کا پابند کیا ہے۔[11] لہٰذا، قرآنی معاہدوں کو سمجھنا جن میں اللہ کو ایک فریق کے طور پر شامل کیا گیا ہے، یہ دراصل ان قوانین کی تفہیم ہے جو اس نے اپنی مخلوق کے ساتھ اپنے تعلق کے انتظام کے لیے وضع کیے ہیں۔

---

[10] الروم:39، البقرہ:272

[11] النساء:64, 106

## اس مطالعے کی افادیت

اس تحقیق میں متعدد پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے جن کے توسط سے اللہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے ساتھ ربط قائم کرتے ہیں اور یہ کہ کس طرح ہر تعلق ایک الگ قانونی رشتہ اور انتظام کی شناخت رکھتا ہے۔ مسلمان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے طرز عمل میں آزاد مرضی کے ذریعے اصلاح کو یقینی بنائے، جس کی اساس پر اسے براہ راست اللہ کے سامنے جواب دہ قرار دیا جاتا ہے۔

یہ مطالعہ مسلمانوں کے ساتھ جن ذاتی معاہدوں کی نشاندہی کرتا ہے وہ اگرچہ انفرادی طور پر مخصوص ہوتے ہیں، لیکن ان میں سے ہر معاہدے کے نفاذ کے گہرے سماجی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر، انسانوں کے وقار کو قائم رکھنے کے عہد (covenant to uphold the dignity of humans) کے تحت، یہ توقع کی جاتی ہے کہ کوئی بھی غیر مستند معلومات نہ پھیلائی جائیں۔ یہ غلط ہے، اور اس کی جدید قانون کے تحت حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، اور عصر حاضر میں اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ معاہدے کے پابند مسلمان کی طرف سے کسی بھی سماجی پلیٹ فارم پر پیغامات کی غیر تصدیق شدہ ترسیل پر مکمل پابندی عائد ہو گی۔

'ناراض مرد و عورت کے ساتھ معاہدہ' (covenant with each angry man and woman) کے تحت، اللہ صبر کرنے پر اعلیٰ درجات کا وعدہ کرتا ہے اور اس طرح مسلمانوں کو قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے سے روکتے ہیں۔ بغیر سوچ سمجھے انتقامی کارروائی کسی بھی شکل میں تنازعے اور قوانین کی خلاف ورزی کا باعث بنتی ہے۔ اس طرح معاہدے کا یہ فریم ورک دوستوں، رشتہ داروں اور یہاں تک کہ اجنبیوں کے ساتھ کام کی جگہ پر تلخیوں اور تعلقات کے بگاڑ سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔'

رضاکار ثالثوں کے ساتھ معاہدہ' (covenant with voluntary arbitrators)

تنازعات کو ابتدائی مراحل میں حل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ معافی تلافی کے عہد کی تکمیل کرتا ہے، لوگوں کو آگے بڑھنے اور کسی بھی ناخوشگوار واقعے کو بھولنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اگر لوگ اس عہد پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں، تو یہ رسمی قانونی چارہ جوئی کو کافی حد تک کم کر دے گا اور بہت سے ممالک میں لاکھوں کی تعداد میں مقدمات کو بھی کم کر دے گا۔

اعتماد کا عہد (covenant of trust) ایسے شخص پر ذمہ داری کا بوجھ ڈالتا ہے جس پر اعتماد کیا گیا ہو، پھر یہ اس کا فریضہ بن جاتا ہے کہ وہ اعتماد کا مان رکھے۔ یہ عہد یقینی طور پہ، ان لوگوں پر مثبت اثر ڈالے گا جو نقل و حمل یا سامان کی ترسیل کے کاروبار میں ہیں اور جو لوگوں پر قانون سازی کے ضمن میں اعتماد کیا گیا، ان پر لازم ہے کہ وہ مختلف انتظامی کاموں کو انجام دینے کے لیے صحیح اور 'قابل اعتماد' افراد کو منتخب کریں۔ وہ اپنی صوابدید اور اتھارٹی کا استعمال کرتے ہوئے ہر کام میں ایک قرآنی پہلو دیکھیں گے۔ کاروباری افراد کا عہد (covenant of entrepreneurs) ایک مسلمان کو صحیح کاروباری طریقوں پر عمل کرنے اور دیکھ بھال کرنے والے اداروں کے ضابطوں کی تعمیل کرنے، اور کاروبار سے متعلق تمام معاملات کو منصفانہ طریقے سے انجام دینے پر مجبور کرے گا۔

مشاورت کا عہد (covenant of consultation) سماجی حوالے سے ہر سطح پر فائدہ مند نتائج کا باعث بنے گا۔ فیصلہ سازی میں اختیار رکھنے والا ہر شخص رضامندی سے اس ڈھانچے پر عمل کرے گا جس پر اتفاق کیا گیا۔ اگرچہ سخاوت کا عہد (covenant of generosity) ان افراد کو خصوصی انعامات کا حقدار قرار دیتا ہے جو فراخ دلی سے کام کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ مالی مدد، اسٹارٹ اپس میں سرمایہ کاری اور مستحقین کی تعلیم کے لیے فنڈنگ کے سماجی اور معاشی نتائج بھی اس سے برآمد ہوں گے۔ قانون کی حکمرانی کا عہد (covenant to follow the rule of law) شہریوں کو اپنی مرضی سے انفرادی طرز عمل کو عصری

زمینی قوانین کے ساتھ ہم آہنگ بنانے پر مجبور کرے گا۔مزید اس کو دوسروں کو اچھے کام کرنے کی نصیحت کرنے کا عہد( covenant to counsel others to do good deeds)سے بھی تقویت ملتی ہے،جو کہ ساتھیوں،دوستوں اور رشتہ داروں کو کسی بھی غلط کام سے روکنے میں معاون ہو گا،جو کہ قانون کے تحت ایک جرم بھی ہے۔یہ وہ تمام معاہدات ہیں جو مل کر کسی بھی ریاست کی ترتیب کو منظم طریقے سے چلانے کے لیے باہمی تعاون کا فریم ورک تیار کرتے ہیں۔معاشرتی اثرات رکھنے والے کسی بھی معاہدے کا احترام کرنے میں ناکامی نظم وضبط میں خرابی اور فساد کا سبب بنے گی،جسے اللہ تعالیٰ روکنا چاہتے ہیں۔معاہدے کا فریم ورک، اگر صحیح طریقے سے سمجھا جائے تو،سماجی ہم آہنگی اور تنازعات میں کمی کا باعث بنے گا۔اس کے نتیجے میں کسی بھی معاشرے یا ملک میں قائم کردہ انتظامی ڈھانچے کی رضاکارانہ تعمیل ہو گی۔

مزید،اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام وعدے اور معاہدے جو ہم اپنی روزمرہ زندگی میں باقاعدہ رسمی طور پر یا ویسے ہی عام روٹین میں کرتے ہیں،ان کا احترام کیا جانا چاہیے کیونکہ قرآن ان کو نبھانے کی بات کرتا ہے۔یہ چیز بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ قرآن کریم غیر مسلموں نے اگرچہ قرآن کا معاہدہ قبول نہیں کیا ہوتا اور ان کے لیے اسے قبول کرنے کی پیشکش ہر وقت دستیاب ہوتی ہے،بہر حال،اس صورتحال میں بھی قرآن مسلموں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔

ایسی ریاست جہاں مسلمان مقیم ہے وہاں کے قوانین بھی قانون سازی کے معاہدے ہیں،اس لیے ان پر عمل نہ کرنے کے لیے یہ عذر نہیں کیا جا سکتا کہ یہ شریعت یا قرآن کے تحت بنائے گئے قوانین نہیں ہیں۔مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ ان پر عمل کیا جائے،الا یہ کہ کوئی قانون کسی خاص آیت یا اہم حدیث کی براہ راست خلاف ورزی کر رہا ہو۔

## خلاصہ:

براہ راست میثاق یا ان معاہدوں کو بیک وقت اللہ کے قوانین یا ہدایات کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے۔ تاہم، چونکہ ان ذمہ داریوں کو انجام دینے کے لیے انعام یا وعدے کا عنصر موجود ہے، اس لیے وہ ایک معاہدے کا کردار بھی اپناتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ معاہدے کا فریم ورک قرآن کی بنیادی ساختیاتی خصوصیات میں سے ایک کے طور پر ابھرتا ہے۔ اس کے اچھے نتائج بھی ہیں؛ مسلمان کے لیے، خالق کی طرف سے براہ راست معاہدہ اطمینان کا باعث ہے۔ معاشرے، ریاست، اور بین الاقوامی برادری کے لیے یہ تحقیق باور کرواتی ہے کہ اب کوئی مسلمان محض اس بنیاد پر کسی بھی دنیاوی قانون کو رد نہیں کر سکتا، جب تک کہ جدید قانون یا معاہدہ، قرآن کی کسی مخصوص آیت کی صریح خلاف ورزی نہ ہو اس وقت تک اسے مسترد نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح، تمام عملی مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے، یہ کام یوں بھی مفید ہے کہ اس کے ذریعے ملکی قانون، بین الاقوامی قانون اور قانونِ الہی میں ہم آہنگی پیدا ہو گی۔

# LATEST PUBLICATION

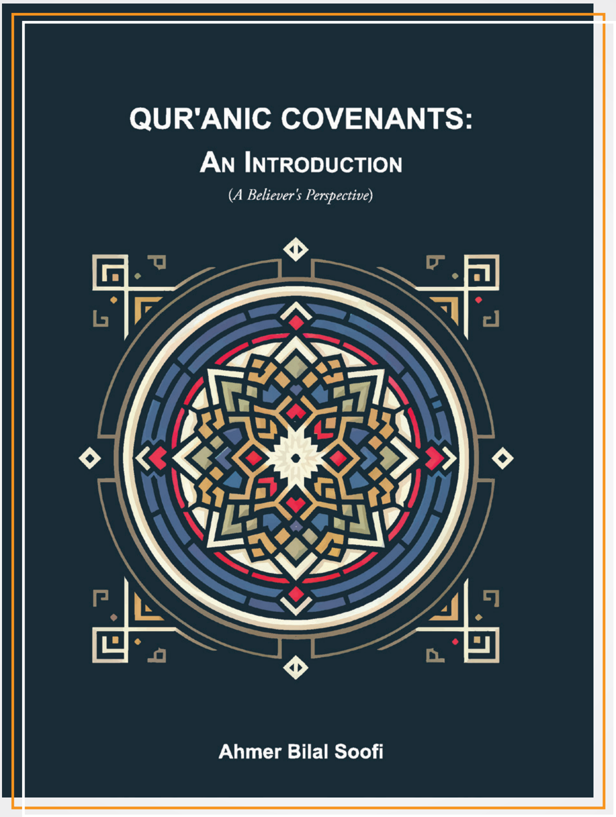


www.sangemeel.shop

## کتاب

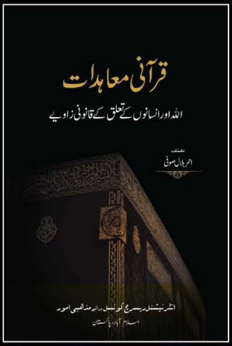


اس کتاب میں قرآن کریم میں ذکر کیے گئے معاہدات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ قرآن کریم کو پڑھتے ہوئے بہت سے مقامات ایسے آتے ہیں کہ جہاں عام طور پہ وعدے وعید، جزاء وسزا اور اللہ تعالی کے انسانوں کے ساتھ تعلق کا ذکر ہوتا ہے۔ اس طرح کی آیات میں اگر غور کیا جائے اور عصرحاضر کی قانونی معاہداتی زبان و اشارات کی روشنی میں ان کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات پر بھی انسانوں کے ساتھ بالعموم، اور مؤمنین کے ساتھ بالخصوص بہت سے معاہدے کیے گئے جنہیں ضروری ہے کہ اِسی تناظر میں ہی دیکھا اور سمجھا جائے۔ احمر بلال صوفی چونکہ بین الاقوامی قانون کے ماہر ہیں، اس لیے انہوں نے اس خاص تفہیم کے مطابق قرآن کریم کی بعض آیات کی شرح کی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مختصر انداز میں کچھ آیات و معاہدات کی توضیح کی ہے۔ وہ اسی موضوع پر ایک زیادہ جامع کتاب کی تصنیف پر بھی کام کررہے ہیں۔ اُمید ہے کہ وہ بھی جلدی منظر عام پر آجائے گی۔

مفت ڈاؤن لوڈ کریں

ISBN: 978-627-7826-03-0

## انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی امور

انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی اُمور ایک غیر سیاسی، غیر سرکاری تحقیقی ادارہ اور تھنک ٹینک ہے جو تنازعات اور حلِ تنازعات سمیت سماجی ہم آہنگی، امن کاری، جمہوریت، انسانی حقوق اور مذہبی سفارت کاری کے ذریعے پرُ امن بین الاقوامی تعلقات کے فروغ کے لیے سرگرم عمل ہے۔ اس ادارے نے مسلم دنیا میں جمہوریت، مذہبی آزادی اور اقلیتوں کے مسائل پر خاطر خواہ کام کیا ہے۔

ادارے نے مذہبی قائدین خصوصا علما کرام کیلئے گورننس ، جمہوریت، دستور سازی ، بین الاقوامی قوانین و معاہدات پر نامور اہل علم کیساتھ سیشن رکھے۔ ان سیشن میں ممتاز سکالر اور ماہر بین الاقوامی قانون احمر بلال صوفی سابق وزیر قانون بھی لیکچر دیتے رہے۔ اب انہوں نے قرآن کے قانونی فریم ورک کے تناظر میں خدا اور انسان کے تعلق کا قانونی زاویے کو انتہائی خوش اسلوبی کیساتھ انگریزی زبان میں میں شائع کیا ہے ۔ زیر نظر کتاب ’قرآنی معاہدات‘ کا اردو ترجمہ انٹرنیشنل یسرچ کونسل برائے مذہبی اُمور کے ادارتی ٹیم کے رکن شفیق منصور نے کیا ہے۔ جوکہ قارئین کیلئے پیش خدمت ہے۔

## تحقیقی مرکز برائے قرآنی معاہدات

QCRC
Quran Covenant Research Center

تحقیقی مرکز برائے قرآنی معاہدات ،اسلام آباد میں احمر بلال صوفی کی سرپرستی میں قائم کیا گیا ایک ریسرچ سنٹر ہے جس کا مقصد قرآن کریم کے معاہداتی فریم ورک کو موضوع بنانا ہے۔یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد اقدام ہے جس میں قرآن کریم میں مذکور مختلف قسم کے معاہدات کو عصرحاضر کے قانونی زاویوں کی روشنی میں پڑھا جائے گا۔اس سے نہ صرف اللہ تعالٰی اور بندوں کے درمیان تعلق کو دیکھنے کا ایک نیا تناظر سامنے آتا ہے، بلکہ اس کے توسط سے جو ریاستوں کے اور بین الاقوامی معاہدات ہیں، ان پر عمل کرنے کا داعیہ بھی مضبوط ہوگا۔اس ادارے کے قیام سے شہریوں کے اندر دینی اور دنیاوی، ہر طرح کے معاہدات کے حوالے سے ذمہ داری اور دیانتداری کے احساس کو فروغ ملے گا۔

ISBN 978-627-7826-03-1
9 786277 826031

تحقیقات
TAHQIQAAT.PK

ircra.org IRCRA ircra3 IRCRA3

مفت ڈاؤن لوڈ کریں